Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

محبت ایک آس ہوتی ہے

ماوراطلحہ

اندھیرا لاکھ ہو، مجھ کو سحر کی آس رہتی ہے
یہی وہ روشنی ہے جو مجھے ڈرنے نہیں دیتی
مجھے معلوم ہے وعدہ نبھانا سخت مشکل ہے
مری کم ہمتی انکار بھی کرنے نہیں دیتی

digest novels lovers group ❤️❤️

نمکین پانی
قطرہ قطرہ کرکے
دل پہ گرتا ہے
سوراخ کرتا ہے
پلکوں کی وادی پر
آس کے موتی رکھتا ہے

رات اپنی خنکی سمیت پھیل رہی تھی، ہر سو خاموشی کا پہرہ تھا، آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، ہوا میں اس کی آنکھوں جیسی نمی تھی۔ کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے وہ سامنے کھڑی تھی، ٹھنڈک کے باعث جسم کپکپا رہا تھا، مگر وہ ہر احساس سے بے بہرہ آسمان کی وسعتیں کھوج رہی تھی۔ چاند، تاروں سے خالی آسمان اسے اپنی مثل محسوس ہو رہا تھا۔ خاموش، اداس، تنہائی کی چادر اوڑھے ہوئے۔ سارے ہاسٹل میں سناٹا پھیلا ہوا تھا، ہر انسان نیند کے پروں تلے پرسکون سویا ہوا تھا، ہاسٹل کی ہر راہ داری سنسان تھی اور ہر کمرے میں اندھیرا ایک فسوں کی طرح پھیلا ہوا تھا مگر اسی ہاسٹل کے ایک کمرے میں ویرانی، اداسی اور بےبسی کا راج تھا۔ دوسری منزل کے ایک کمرے میں کھڑا وجود نیند کے احساس سے غافل تھا۔ آنکھوں پر گھنی پلکوں کا بسیرا تھا اور وہ گھنی پلکیں شفاف سفید موتیوں سے بھری ہوئیں تھیں۔ لمبی ستواں ناک سردی کی شدت سے سرخ ہو چکی تھیں۔ مہتاب سا چہرہ اداسی کے ہالے میں مقید تھا۔

اس کے چہرے پر سوچوں کی لکیریں بکھری ہوئی تھیں، شفاف چہرہ دل کا آئینہ بنا ہر داستان بیان کر رہا تھا۔ کامدار سوٹ پہنے، ہلکے پھلکے سے زیورات پہنے، ہاتھوں پہ مہندی کے نقش و نگار لیے وہ کسی دلہن کی مانند لگ رہی تھی۔ ایک دلربا داستان سی جسے ساری رات سنانے والا سنائے اور سننے والے سنتے رہیں، ایک عارفانہ کلام، جسے جوگی گاتا جائے اور لوگ سر دھنتے رہیں۔

"عینا شاہ...... تمہیں تو رات کی نیند سے کوئی غرض نہیں اور نہ ہی سرد راتیں تمہارے نازک وجود کو متاثر کرتی ہیں مگر مجھ بے چاری پر ترس کھالو اور اللہ کے واسطے اپنا یہ دھرنا پھر کبھی کے لیے وقف کردوں۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے بڑے انہماک سے آسمان کو دیکھ رہی تھی مگر سامعہ لاشاری کی آواز نے اس کے انہماک کو توڑ دیا تھا۔ اس نے ہاتھوں سے آنکھیں صاف کیں اور ایک سرد سی سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے کھڑکی بند کردی اور پھر کمرے کی لائٹس آف کرتے ہوئے بیڈ پہ آکر بیٹھ گئی۔ سامعہ لاشاری بڑے غور سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے انگ انگ پہ اداسی قبضہ کیے ہوئے تھی۔

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

"عینا شاہ اس بات سے آگاہ ہوں کہ تم اپنی سوچوں کو بیاں نہیں کرتیں چاہے وہ سوچیں تمہارے چہرے سے جھلک رہی ہوں مگر پھر بھی تم بتا سکتی ہو کہ آج کی تقریب میں ایسا کیا ہوا؟ جس نے تمہیں آج سے دو سال پہلے والی عینا شاہ بنا دیا، اداس پژمردہ اور حوصلہ شکن....." سامعہ لاشاری نے اس سے سوال کیا۔ اس سوال کا جواب ملنا ناممکن تھا کیونکہ عینا شاہ ایسا سیپ تھی جس پر لاکھوں جتن کر لو مگر وہ نہیں کھلتی۔ ساحلوں سی خاموش، سمندر سی گہری اور آسمان سی وسیع تھی۔

"سو جاؤ..... صبح سے ہاؤس جاب شروع ہو جائے گی تو تمہاری سوچیں تمہارے دل سے نکل کر کہیں اور بسیرا کر لیں گی۔" اس کے جواب نہ دینے پر وہ دوبارہ لیٹ گئی اور عینا شاہ کو بھی سونے کا مشورہ دیا۔ چند لمحوں میں سامعہ لاشاری دوبارہ نیند کی آغوش میں جا چکی تھی اور عینا شاہ کی آنکھیں اسی منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ دو سال سے وہ آبلہ پا تھی مگر اس کی سزا ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ٹوٹ رہی تھی، بکھر رہی تھی، ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں تحلیل ہو رہی تھی مگر آزمائش ہر روز ایک نئی شکل میں سامنے آ کھڑی ہوتی تھی۔

صباء ذوالقرنین اس کی دوست اور کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ شاہ خاندان کے بزنس پارٹنر کی بیٹی بھی تھی۔ اگر وہ اس کی دوست نہ ہوتی تو وہ کبھی اس زمین پر قدم نہ رکھتی جہاں شاہ خاندان کے کسی بھی فرد کی آمد متوقع ہو۔ وہ ہزار کونوں میں چھپی، لاکھ کترائی مگر مضحکہ خیز نگاہیں اس کے تعاقب میں کسی شکار کی طرح رہتیں۔ ذلت کی ایک گہرائی تھی جس میں "عینا شاہ" گرتی جا رہی تھی اور بچانے والے دور کھڑے تماشا دیکھ رہے ہوتے۔

آج کی رات بھاری تھی، آج آنسوؤں کو آزادی تھی کہ وہ عینا شاہ کی ذلت پر جی بھر کر ماتم کریں۔ نیند پر پابندی تھی اور آج رات نیند نے کانچ سی آنکھوں سے جدائی اختیار کر لی تھی۔ اس نے تکیے کے نیچے سے وہ ڈبیا نکالی جو ایسی حالت میں اس کی دوا ہوتی تھی۔ جو ذلت کے کیڑوں کو اس کے جسم سے دور بھگا دیتی تھی۔ نیند کی گولی کھائی اور ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کانچ سی آنکھوں کو زور سے بند کر کے کھولا، سارے آنسو اس کے چہرے پر لڑھک گئے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تھے۔آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ لیٹ گئی تھی۔ چند لمحوں میں اس کی حالت اس مسافر کی سی تھی جو سفر کے مصائب سے تھک کر گھوڑے کی پیٹھ پر ہی سو جاتا ہے۔

❁.....❁.....❁

سید محل کی سفید دیواریں سورج کی روشنی سے چمک رہی تھیں۔ لان میں لگے درختوں سے روشنی چھن چھن کر سفید دیواروں پر نقش و نگار بنا رہی تھی۔ سورج کی تابنا کی نے پرندوں کو بھی پرسکون کر دیا تھا، سردیوں کی تازگی، گرماش اور پرسکون ٹھنڈک والی ایک اور صبح پوری آب و تاب سے روشن ہوگئی تھی، سورج کی روشنی دیواروں پر پڑتیں اور کھڑکیوں سے ٹکرا کر لوٹ جاتی تھیں۔ کیونکہ کھڑکیوں کے آگے دبیز پردوں نے روشنی کا داخلہ ممنوع کر رکھا تھا۔

سید محل کے ہر کمرے کا نفوس دن کے اجالے سے بے نیاز نیند کی آغوش میں تھا مگر ایک کمرے میں زندگی رواں دواں تھی، دبیز پردوں کو ہٹا کر سورج کی کرنوں کو خوش آمدید کہا گیا تھا۔ گرم شال لپیٹے، ہاتھ میں تسبیح پکڑے وہ ذکر الٰہی میں مشغول تھیں۔ چرند، پرند، پہاڑ، درخت، ہر ذی روح کائنات حمد و ثناء میں مصروف تھا، مگر ''سید محل'' میں صرف بی بی شاہ ہی مقصد انسانیت کو پورا کر رہی تھیں۔

''باہر دھوپ نکل آئی ہے شاہ بی بی! میں چائے بھی باہر رکھ آئی ہوں۔'' شاہ بی بی کی خاص ملازمہ ان کے سامنے ادب سے کھڑی انہیں آگاہ کر رہی تھی۔

شاہ بی بی کی برسوں سے عادت تھی وہ صبح سویرے اٹھتی، ذکر الٰہی اور صبح کے اذکار خشوع خضوع سے کرتیں اور پھر لان میں آ کر بیٹھ جاتیں..... سارے ملازم ان کی اس عادت سے آگاہ تھے اسی لیے صبح سویرے لان کی صفائی اور کانٹ چھانٹ ہو جاتی تھی اور ''شاہ بی بی'' کی خاص ملازمہ ''کبریٰ'' کین کی کرسیاں، میز ترتیب سے رکھتی اور چائے کا اہتمام کرنے کے بعد ''شاہ بی بی'' کو سہارے سے لان میں لے آتی۔ کبریٰ کے سہارے ست روی سے چلتی ہوئی وہ لان میں آ کر بیٹھ گئی تھیں، ہر ملازم ادب سے سلام کرتا ہوا گزر رہا تھا۔ کبریٰ نے بنا چینی کے چائے بنا کر شاہ بی بی کو دی اور خود ایک طرف ہو کر کھڑی ہوگئی۔ شاہ بی بی کو ایک عرصہ سے ''ذیابیطس'' کا مرض تھا جس کے باعث وہ میٹھے کا استعمال ترک کر چکی تھیں۔ چائے پیتے ہوئے وہ سرسری نظر سے اردگرد کا جائزہ بھی لیتی رہیں، دور سفید آہنی گیٹ کے سامنے گارڈز مستعد کھڑے تھے، لمبی سی راہداری میں ترتیب سے گاڑیاں کھڑی تھیں، گاڑیوں کے نظم و ضبط کو صرف ایک گاڑی خراب کر رہی تھی اور وہ جانتی تھیں یہ حرکت کس انسان کی تھی۔ گاڑیوں کے دوسری طرف چھوٹا سا باغ تھا جسے شاہ بی بی خاص طور سے دیکھتی تھیں۔ سید محل میں صرف دو لوگوں کو پودوں سے محبت تھی۔ لان اور اس میں لگے پودے اور باغ کی خوب صورتی سب کسی اور کی وجہ سے تھا اور اس کی غیر موجودگی میں شاہ بی بی یہ ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کر رہی تھیں۔

''کبریٰ مالی بابا کہاں ہیں؟ انہیں کہو باغ کی حالت درست کریں، کسی چراگاہ کی طرح لگ رہا ہے۔'' باغ پہ ایک نظر ڈالی تھی کہ انہیں ابتری کا احساس ہوگیا تھا۔

''جی شاہ بی بی..... میں کہہ دیتی ہوں۔'' کبریٰ نے جواب دیا۔

ہر طرف سے پرسکون ہو کر انہوں نے اخبار اٹھایا اور ملکی حالات سے آگاہی کا سلسلہ شروع ہوا، ملک میں خون خرابہ اور دہشت گردی ایسا لازم عضو بن گئے تھے جن کے بنا کوئی اخبار مکمل نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے تنگ آ کر اخبار رکھ دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

کمرے میں چہار سو اندھیرا تھا، ٹیبل لیمپ مدھم سی روشنی پیدا کر رہا تھا، ہیٹر کے باعث کمرے میں گرمائش تھی۔ جہازی سائز بیڈ پر وہ آڑھا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ آدھا جسم کمبل میں اور آدھا باہر، ماتھے پہ بکھرے سلکی بال اس کے چہرے کو جاذب نظر بنا رہے تھے۔ چوڑی پیشانی، مغرور سے نین و نقش اسے گرل کرش لڑکا بناتے تھے اور وہ تھا بھی ایسا ہی..... چہرہ خوب صورتی کی مثال تھا، بس ماتھے پر لگا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہلکا سا کٹ چاند پر گرہن سا لگتا تھا۔ موبائل پہ الارم بجا جس کے نتیجے میں مغرور وجود کسمسایا، ہاتھ بڑھا کر الارم بند کیا اور انگڑائی لیتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ گھڑی پہ نظر جاتے ہی وہ عجلت سے اٹھا اور واش روم میں گھس گیا۔ منٹوں میں نہا کر باہر آیا۔ وہ ہمیشہ اپنی تیاری اہتمام سے کرتا تھا، مگر آج وہ عجلت میں لگ رہا تھا۔ سفید پینٹ اور سرخ شرٹ پہنے وہ تیار تھا "پولو ریڈ" کا اسپرے کرتے ہوئے وہ جلدی سے باہر نکلا تھا، اس کے ساتھ خوشبو کا جھونکا بھی باہر آیا تھا۔

"گلاب خان....." سیڑھیوں سے اترتے ہوئے ہی اس نے گلاب خان کو آواز دی اور گلاب خان "الہ دین" کے چراغ کی طرح حاضر تھا۔

"زہرہ کو میرے ناشتے کا کہہ کر آؤ اور اس کے بعد میری گاڑی چیک کردو۔"

"جی صاحب۔" گلاب خان اس کی بات کے اختتام پر ہی مڑ گیا۔ موبائل چیک کرتا ہوا وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"آپ کی صبح ہوگئی برخوردار..... تھوڑی دیر اور آرام فرما لیتے۔" منہاج شاہ نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"جی..... تھکاوٹ کی وجہ سے آنکھ نہیں کھلی۔" اس نے تاخیر سے اٹھنے کا عذر پیش کیا۔ اسی اثناء میں اس کا ناشتہ آچکا تھا۔

"آج کا کیا ارادہ ہے.....؟" منہاج شاہ نے اس سے سوال کیا۔

"سکندر گروپ اینڈ کمپنیز کے ساتھ میٹنگ ہے، اس کے بعد دو تین سائٹس کا وزٹ ہے۔" اس نے مصروفیات کی تفصیل بتائی۔

"ٹھیک..... سکندر گروپ کے ساتھ تحمل سے پیش آنا، کوئی بھی جذباتی فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"آپ جانتے ہیں دھوکا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، اس لیے ان کے ساتھ وہی ہوگا جس کے وہ حق دار ہیں اور امید ہے کہ آپ میرے فیصلے کے درمیان نہیں آئیں گے۔" اس کے چہرے پہ چٹانوں سی سختی تھی اور لہجہ جون کی تپش لیے ہوئے تھا اور اس کے اس رویے کے سامنے سید محل کا ہر فرد بے بس ہو جاتا تھا۔ وہ قسام شاہ تھا۔

سید محل اور شاہ گروپ آف بزنس کا اکلوتا اور واحد وارث..... اپنے فیصلوں میں خود مختار اور اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرنے والا۔ جب وہ کچھ کرنے کی ٹھان لیتا تھا تو "منہاج شاہ" بھی خود کو بے بسی کے حصار میں مقید محسوس کرتے تھے۔ سید محل کا ہر فرد اس پر انحصار کرتا تھا اور وہ اس بات کا ہر طرح سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ قسام شاہ اپنی کمزوری چھوڑتا نہیں تھا اور دوسری کی کمزوری سے ہر طرح کا فائدہ اٹھالینا جانتا تھا۔

"ٹھیک ہے جو تمہارا دل کرتا ہے تم ویسا کرو مگر ساتھ 'فہمین احسان' کو لیتے جانا۔" منہاج شاہ نے اس کے غصے کے آگے فہمین احسان نامی بند باندھنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ یہ ناکام کوشش تھی۔ وہ ایسا منہ زور دریا تھا جس کے آگے ہر بند، ہر رکاوٹ ریت کے ٹیلے کی طرح تھی۔ وہ اٹھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا منہاج شاہ کی نظروں سے دور ہوتا چلا گیا اور وہ بے بسی کی عملی تصویر بنے بیٹھے رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

لندن کی سڑکوں کو برف نے ڈھانپ رکھا تھا، روڈ لیمپ کی روشنی برف پر پڑتی اور برف ایسے چمک اٹھتی جیسے کوئلے کے ڈھیرے میں کوہ نور جگمگا رہا ہو۔ تارکول کی سڑکیں سفیدی اوڑھے ہوئے تھی۔ رات کا سماں اور بادلوں سے ڈھکا آسمان لندن کو خاموشی سے نیند کی لوری سنا رہے تھے۔ اس پُر ہول سناٹے میں سردی سے بے نیاز، رات کی کشش کو یکسر نظر انداز کیے، اپنی سوچوں میں مگن وہ چلا جا رہا تھا، اس کے قدموں کی قسمت میں سفر لکھ دیا گیا تھا اور اس سفر میں قدم بہ قدم پچھتاوؤں کی زنجیریں لپٹی ہوئی تھیں۔ نہ جانے اس کے قدموں کے ساتھ کون سی آگ لپیٹ دی گئی تھی جس کی شدت میں برف کی ٹھنڈک بھی کمی نہیں لا سکتی تھی۔ وہ چل رہا تھا اور چلتا ہی جا رہا تھا، بنا رکے بنا ٹھہرے، ٹھہرنا اب اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

وکٹوریہ روڈ کی ایک اندھیری مگر پھولوں سے گھری اسٹریٹ میں اس کی رہائش تھی اور اس اسٹریٹ کے سامنے سے وہ چار مرتبہ گزر چکا تھا۔ روڈ پہ بیٹھا ایک خبطی بوڑھا اپنے لرزتے ہاتھوں کی پوروں پر اس کے ہر چکر کو گن رہا تھا۔ یہ اس کے روز کا معمول تھا، وہ لڑکا روز خود سے بیگانہ قدموں کی قسمت کو آزماتا اور وہ بوڑھا روز اپنے لرزتے ہاتھوں کو تکلیف میں مبتلا رکھتا۔ وہ پانچویں مرتبہ اس خبطی بوڑھے کے سامنے سے گزر رہا تھا مگر اس کے لرزتے ہاتھ حساب بھول چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے قدم اٹھاتا اور قدموں کو ایک نئے سفر پہ ڈالتا اس نے اسے آواز دی۔ اس لڑکے نے مڑ کر اسے دیکھا، آنکھوں میں حیرانی کا شدید غلبہ در آیا، اس کی حیرانی منعکس ہو کر خبطی بوڑھے کی آنکھوں تک رسائی حاصل کر چکی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس خبطی بوڑھے کے پاس آیا اور برف کی پروا کیے بغیر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ خاموش تھا، بالکل خاموش اور یہ خاموشی صرف زبان تک محدود نہیں تھی۔ اس کا سارا جسم خاموشی کی مکمل تصویر تھا، وہ سانس بھی ایسے لے رہا تھا کہ ذرا بھی آواز نکلی تو خاموشی کا بھرم ٹوٹ جائے گا۔

"تم برف پر بیٹھے ہو؟" خبطی بوڑھے نے اس کی خاموشی سے ڈر کر سوال کیا اور سوال بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہوا تھا۔

"یہ برف بیکار ہے، اندر آگ ویسے ہی جل رہی ہے، آگ کے شعلے مجھے جلا کر راکھ کر رہے ہیں۔ یہ برف بھی میرے اندر جلتے تندور کو بجھا نہیں پا رہی۔" اس نے بکھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور خبطی بوڑھا کانپ کر رہ گیا تھا، اس لڑکے کے لہجے میں جلتے ہوئے سورج کی تپش تھی۔

"تم روز رات کو اپنی اسٹریٹ بھول جاتے ہو۔" بوڑھے نے نادانستگی میں اسے چابک دے مارا اور لرزتے ہاتھ سامنے کر کے بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ کتنی دفعہ اس کے سامنے سے گزر چکا ہے مگر وہ خود بھول چکا تھا۔ اس کی رعشہ زدہ انگلیاں دنیاوی حساب سے آزاد ہو چکی تھیں۔

"میں گھر بھولتا نہیں ہوں گھر سے بھاگتا ہوں، اس گھر میں بددعاؤں کی راکھ بکھری پڑی ہے، آہوں کا تندور جل رہا ہے، ہر طرف آگ کے شعلے ہیں، میرے پاؤں کوئلوں پہ چلتے ہوئے جھلس گئے ہیں۔" بوڑھے کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس لڑکے کے الفاظ کے ساتھ ساتھ رات بھی ماتم زدہ تھی اور خبطی بوڑھے نے رات کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ اندھیروں نے ماتم زدہ ہاتھوں سے اسے اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ بوڑھا کانپ رہا تھا اور بے تحاشا کانپ رہا تھا، بوڑھے نے دزدیدہ آنکھوں سے اس لڑکے کو دیکھا جو رات کا مسافر تھا جس کے ہم قدم کالے اندھیرے تھے۔ رات بھیگ رہی تھی، آسمان بھی روتے ہوئے سفید گالے زمین پر بہا رہا تھا۔ بوڑھے پہ ہر رات بھاری گزرتی تھی مگر آج کی رات زیادہ بھاری تھی۔

❁.....❁.....❁

کہر زدہ سی صبح پہاڑوں پر اتر رہی تھی، اپنے دامن میں دھند، اوس، ٹھنڈک کے زیورات بھرے کسی شاہی مہمان کی طرح پہاڑوں سے سرکتی ہوئی زمین کی طرف آ رہی تھی۔ سفیدی اندھیرے کو مات دیتے ہوئے تازگی کا حسن لیے گھروں میں اتر رہی تھی۔ غم رات بھلانے کا اعلان کرتی ہوئی دلکش صبح روشن تھی۔

رات کی تکلیف، ذلت اور شرمندگی ختم تو نہیں ہوئی تھی مگر سینے میں جلتی آگ سردی کی شدت سے کم ہو گئی تھی۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، پہلی نظر میں لگتا تھا کہ آنسو چھلک جائیں گے مگر آنسو بھی وفادار نہیں تھے، سرد کہر زدہ رات میں ہی تھک کر اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے مگر سوجن زدہ آنکھیں اور اداس سی سرخی کا انعام دے گئے تھے۔ پانی کے چھینٹے مارنے سے بھی سرخی اور سوجن قائم تھی، مطلب کہ ایک دن کے لیے اس کو ملنے والی ذلت اس کی آنکھوں سے عیاں ہوتی رہے گی۔

واش روم سے تیار ہو کر نکلی تو سامعہ لاشاری بھی تیار تھی اور کافی کے دو مگ رکھے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ صبح سویرے ناشتہ کرنا اس کی عادت نہیں تھی بس ایک مگ کافی کا لے کر وہ تین چار گھنٹے گزار لیتی تھی۔ اس کی اس عادت

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے ساتھ سامعہ لاشاری بھی سمجھوتہ کر چکی تھی۔ دونوں کا ساتھ میڈیکل کالج کے آغاز سے تھا۔ عینا شاہ کا تعلق لاہور سے تھا اور سامعہ لاشاری کا اسلام آباد سے۔ ایک ساتھ میڈیکل کالج میں داخلہ ہوا اور ہاسٹل میں روم بھی ایک ہی ملا۔ پانچ سال کے ساتھ میں دونوں کی دوستی محبت، اعتماد کے رنگ، چھلکتے تھے۔

سامعہ لاشاری اس کے سامنے کھلی کتاب تھی جسے ورق درورق وہ پڑھ سکتی تھی۔ جس کے ہر باب تک اس کی رسائی تھی اس سب کے باوجود ایسا کوئی دعویٰ سامعہ لاشاری اس کے بارے میں نہیں کر سکتی تھی۔ عینا شاہ بس اتنا کھلتی تھی جتنا اس کی مرضی کے مطابق ہوتا۔ وہ لاہور کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی، ڈاکٹر بننا اس کا جنون تھا اور فطرت سے اس کو عشق تھا۔ اسی لیے لاہور کے بہترین میڈیکل کالج چھوڑ کر اس نے ایوب میڈیکل کالج ایبٹ آباد کا انتخاب کیا تھا۔ فطرت سے اس کی محبت کا اندازہ سامعہ لاشاری کو تب ہوا جب اس نے زبردستی دوسرے فلور پر کمرہ لیا اور سامعہ لاشاری کے بے حد اصرار کے باوجود کھڑکی کے آگے اسٹڈی ٹیبل سیٹ کر لی۔ دن و رات کا اک مخصوص پہر وہ اس کھڑکی کے آگے کھڑی باہر کے نظاروں میں کھوئی رہتی تھی۔ جب صبح نازک حسینہ کی طرح اٹھلاتی، بل کھاتی پہاڑوں پر نازل ہوتی تو عینا شاہ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھتا تھا۔ دن کے مصروف اوقات میں بھی وہ اپنے اردگرد زندگی کو محسوس کرتی رہتی مگر رات میں اسے ہر طرح سے آزادی حاصل تھی کہ کھڑکی سے تاروں سے سجے آسمان کو دیکھنا، پہاڑوں پر اترتی کالی ناگن جیسی رات کو محسوس کرنا، اس کے پسندیدہ مشاغل تھے۔

یہ سب پرانی باتیں تھیں، سامعہ لاشاری کا خیال تھا اب تو وہ فطرت لفظ کے معنی بھی شاید بھول گئی ہوگی۔ عینا شاہ بظاہر ویسی ہی تھی مگر تبدیلی آئی تھی اور اتنی شدید آئی تھی کہ سامعہ لاشاری جیسی لاپروا بھی کھٹک گئی تھی۔ عینا شاہ بکھرتی گئی تھی اور وہ خاموش تماشائی کی طرح دیکھتی رہ گئی تھی۔ بارہا کوشش کے باوجود بھی وہ اس سبب کو تلاش نہیں کر سکی تھی جس کی وجہ سے پہاڑوں کی شیدائی لڑکی خود پہاڑ بن گئی تھی۔ وہ کیا اسباب تھے جنہوں نے رات سے عشق کرنے والی لڑکی کو اس کی ذات سمیت اندھیرا کر دیا تھا۔

اس کی جامد خاموشی کے آگے سامعہ لاشاری بے بس ہو جاتی تھی۔ اس کے گلابی ہونٹ چپ کا قفل لگائے ہوئے تھے جن کے جارحانہ پن کے سامنے وہ بھی ہار جاتی۔ وہ رات آج بھی اس کے جزئیات میں کسی جان لیوا اذیت کی طرح چمٹی ہوئی تھی۔ امتحانوں کے بعد چند دن کی چھٹیوں میں وہ اسلام آباد اور "عینا شاہ" لاہور گئی تھی۔ تعطیلات کا اختتام ہوا اور وہ دوبارہ ہاسٹل واپس آ گئی مگر عینا شاہ کا کچھ پتا نہیں تھا۔

ایک دن شدت کے انتظار کے بعد اس کے نمبر پہ آنے والی کال نے اسے اندر تک ہلا دیا تھا۔ وہ بھاگم بھاگ ہاسپٹل پہنچی اور عینا شاہ کو دیکھ کر دنگ رہ گئی ایسی ٹوٹی بکھری اور حواس بیگانہ عینا شاہ کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جسمانی چوٹوں سے زیادہ وہ اندر سے زخمی تھی اور اس بات کا ادراک اسے چند دنوں میں ہو گیا تھا۔ ہزار کوشش کے باوجود وہ کوئی وجہ تو تلاش نہیں کر سکی تھی مگر اپنے ساتھ کے احساس سے اس کے زخموں پہ پھائے ضرور رکھتی رہی تھی۔ اس وقت بھی عینا شاہ نے اس کی ٹٹولتی آنکھوں کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا، اس کے سوالوں سے بچنے کے لیے اس نے کافی کا مگ پکڑا اور اپنے مشغلے میں مشغول ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"شاہ گروپ آف بزنس" کا ہیڈ آفس تعمیرات کا اعلیٰ نمونہ تھا، پانچ منزلہ عمارت گلاس کی بنی ہوئی تھی۔ شہر کے وسط میں بنی عمارت اپنی بلندی، ہیئت، ڈیزائن اور شان و شوکت کی وجہ سے ایک الگ پہچان رکھتی تھی سورج کی نارنجی کرنیں جب گلاس سے ٹکراتی تھیں تو وہی کرنیں منعکس ہو کر ہر آنکھ کو خیرہ کر دیتی تھیں۔

"شاہ گروپ آف بزنس" کی عمارت کے پانچویں فلور کے ایک پُرحدت کمرے میں وہ پوری شان سے بیٹھا ہوا تھا۔ وسیع و عریض کمرہ اس عمارت کے مالک کا تھا۔ ہر

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ضروری آسائش سے بھرا اور امارت کی منہ بولتی تصویر تھا۔ سفید ٹیبل اور سفید ہی راکنگ چیئر پہ بیٹھا قسام شاہ اپنی جیت پر خوش تھا۔ اس کی ذاتی ہر چیز میں سفید رنگ کثرت سے استعمال ہوتا تھا کیونکہ وہ سفید رنگ کا شیدائی تھا۔

سفید رنگ جو پاکیزگی، حیاء معصومیت کی علامت سمجھا جاتا تھا مگر حیرت کی بات تھی کہ وہ سفید رنگ ان خصوصیات کی وجہ سے استعمال نہیں کرتا تھا بلکہ سفید رنگ اس کے دماغ میں یادوں کے پُرمسرت جھونکے لے آتا تھا، ذہن کے پردے پر ایک سفید آنچل لہرانے لگتا اور وہ محوِ حیرت رہ جاتا تھا جو انسان اس کے نزدیک نفرت کے لائق بھی نہیں تھا۔ وہ اس کی یادیں کسی تعویذ کی طرح خود سے باندھ کے رکھا ہوا تھا، اس کی یادوں کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنانا چاہتا تھا، اس کی یادوں کی حدت سے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے لیے کوئی جوگ نہیں لینا چاہتا تھا مگر اس کی یادوں سے فرار بھی نہیں چاہتا تھا۔

"ہیلو مسٹر بیوٹی کنگ، کیا کمال کا شارٹ کھیلا ہے تم نے، پورا شہر قسام شاہ کا دیوانہ ہو چکا ہے۔" وہ ابھی انہی یادوں کے سنگ رہنا چاہتا تھا مگر "فہمین احسان" نے اس کی یادوں میں حال کا کنکر پھینک کر طلاطم برپا کر دیا تھا۔ اس نے مسکراتی نظروں سے اسے ویلکم کیا۔

"تم کب آئی ہو۔" انٹر کام پر اس کے لیے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے اس نے فہمین احسان سے پوچھا۔

"آج سے چھبیس سال پہلے۔" فہمین احسان نے اپنا بایاں ابرو اچکاتے ہوئے جواب دیا اور یہ اس کا خاص انداز تھا اس انداز سے وہ کئی دلوں کو گھائل کر چکی تھی مگر جس کو گھائل کرنا چاہتی تھی وہ چکنا گڑھا تھا۔ جس پر نہ اس کی قاتل اداؤں کا اثر ہوتا اور نہ ہی اس کے خوب صورت انداز و صورت کا۔ سالوں سے وہ اس مہم پہ تھی اور شاید ساری عمر ہی رہنا چاہتی تھی۔

"آنٹی، انکل کیسے ہیں، کافی دن ہو گئے ہیں ملاقات نہیں ہو سکی، وہ سید محل بھی نہیں آئیں شاہ بی بی سے ملنے کے لیے، کیا کوئی مسئلہ ہے؟" اس نے اس کی آنکھوں کے پیام نظر انداز کرتے ہوئے بات کا رخ موڑا اور فہمین احسان جی بھر کر بدمزہ ہو گئی تھی۔

"آف کورس، سب ٹھیک ہیں، اگر تمہیں اتنی ہی پریشانی ہو رہی ہے تو تم آج گھر چلو میرے ساتھ، ڈنر بھی ہو جائے گا اور سب سے مل بھی لینا۔" قسام شاہ نے گہری نظروں سے فہمین احسان کو دیکھا۔ آسمانی رنگ کا لباس پہنے، ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگائے وہ ایک قیامت لگ رہی تھی۔ حسین تو تھی ہی مگر اسے حسن کو دوآتشہ کرنا بھی آتا تھا۔

اس نے فہمین احسان کی پیشکش پر غور کیا، مصروف زندگی میں اتنا وقت تو تھا نہیں کہ وہ رشتہ داروں کے ساتھ گزارے، اچانک اس کی آنکھوں میں شاہ بی بی کا ناراض چہرہ آیا تو اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا کہ شاید اس طرح شاہ بی بی کی ناراضی تھوڑی کم ہو سکے۔ اس کی ہاں نے فہمین احسان کے چہرے کو گلنار کر دیا تھا، اس کی ہاں نے اسے مسرت کے انوکھے جہاں میں پہنچا دیا تھا۔

"چلو پھر نکلتے ہیں، ماما بھی خوش ہو جائیں گی۔" اس نے عجلت دکھائی کہ جیسے ذرا سی تاخیر سے وہ اپنا ارادہ بدل دے گا۔

"مجھے کچھ کام ہے، تم جاؤ میں ڈنر کے وقت ضرور آؤں گا۔"

"مجھے تم پہ ذرا سا بھی بھروسا نہیں، تمہاری کوئی نہ کوئی ایمرجنسی میٹنگ آ جائے گی، آج اتنے عرصے بعد تو ہاتھ آئے ہو ایسے ہی نہیں جانے دوں گی۔" فہمین احسان نے فرار کی ہر راہ مسدود کر دی تھی۔ وہ کسی کی ماننے والا نہیں تھا مگر شاہ بی بی کا خیال اسے فہمین احسان کی بات ماننے پر مجبور کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، پھر اکٹھے ہی نکلتے ہیں، راستے میں ایک دو کام ہیں وہ بھی کر لیتا ہوں۔" اسے لگا جیسے اس کے اقرار پر سامنے بیٹھا وجود نہایت خوش ہوا ہو اور وہ کسی اور جہاں میں بھٹکنے لگا ہو۔ اپنے تاثرات کو معتدل کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

❁.....❁.....❁

موبائل پر مسلسل کالز آ رہی تھیں اور وہ بے حس و حرکت موبائل ہاتھ میں تھامے بیٹھا ہوا تھا، اسکرین جلتی اور جل کر بجھ جاتی تھی۔ اگر وہ مستقل مزاجی سے موبائل پر آنے والی کال نہیں اٹھا رہا تھا تو کرنے والا بھی مستقل مزاج ہی تھا اور وقفے وقفے سے کالز کر رہا تھا۔ ایک پل کو اس کا دل کیا کہ موبائل دیوار پر مار کر توڑ دے تاکہ اس کا واسطہ سب سے ختم ہو جائے مگر جذباتیت پر مصلحت غالب آ گئی۔ اس نے خود کو پُرسکون کرتے ہوئے کال اٹھالی تھی۔

"کہاں تھے تم.....؟ کب سے کال کر رہی ہوں، کیا اب تم میری آواز بھی نہیں سننا چاہتے ہو؟" موبائل کان سے لگاتے ہی اسے ماں کی پریشان آواز سنائی دی۔

"میں بزی تھا اس لیے کال ریسیو نہیں کر سکا۔" ماں کو تسلی دینے کے لیے اس نے بہانہ بنایا اور اس کے بہانے پر دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

"میں تمہارا باپ یا کوئی اور رشتہ دار نہیں ہوں جو تمہارے بہانوں سے بہل جاؤں، ماں ہوں تمہاری، تمہارا درد، تمہارا کرب میلوں کی مسافت سے بھی مجھ تک پہنچ جاتا ہے، تمہارا جسم میرے جسم سے جڑا ہوا ہے۔ تو کیا میں اتنا نہیں جان سکتی کہ تمہاری سانسوں میں خوشی کی مہک ہے یا کرب کا دریا رواں ہے۔" اس کی ماں نے اس کا ہر بہانہ رد کر دیا تھا اب اس کے پاس خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

"گھر میں سب کیسے ہیں؟" خاموشی سے گھبرا کر اس نے سوال پوچھا مگر غلط سوال پوچھ لیا تھا۔

"جیسے کبھی تم تھے، ویسے ہی ہیں سب۔" ماں کا جواب اسے تازیانہ لگا تھا یا کوئی چابک جو بہت سختی سے اسے پڑا تھا۔

"اسے آج احساس ہوا تھا لفظوں کے بھی دانت ہوتے ہیں جو کاٹ لیتے ہیں....." اسے ایسے لگا جیسے اس کے سارے جسم پر کیڑے رینگ رہے ہوں، آہستہ آہستہ وہ کیڑے اس کے ناک، آنکھ کان اور منہ کے ذریعے اس کے جسم میں داخل ہو رہے ہوں۔ وہ جلدی سے اٹھا اور واش روم کی طرف بھاگا اور کپڑوں سمیت یخ پانی کے نیچے کھڑا ہو گیا اور اپنے جسم پہ ہاتھ مار کر نادیدہ کیڑے اتارنے لگا۔ خوف سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا اور آنکھیں زار و زار برس رہی تھیں۔ آج ایک اور رات اس پہ بھاری تھی، آج پھر اس کے فلیٹ پر کوئلے دہکنے والے تھے، رات بھر اس نے وکٹوریہ اسٹریٹ پر بے تابانہ چلنا تھا، آج پھر آسمان نے سفید آنسو بہنے تھے۔

❁.....❁.....❁

ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے وہ ہارٹ سرجری کے بارے میں امریکن ڈاکٹر کا آرٹیکل پڑھ رہی تھی، سردی بھی اپنے جوبن پر تھی جس کی وجہ سے وہ کئی کافی کے کپ پی چکی تھی۔

"اف آج تو بچوں نے پاگل کر دیا، دماغ میں گھنٹیاں بج رہی ہیں۔" سامعہ لاشاری بھی ڈیوٹی وقفے کے دوران اسی کے پاس آ گئی تھی۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ دونوں ہاؤس جاب میں بھی اکٹھی ہی تھیں بس ڈیپارٹمنٹ الگ تھے۔ سامعہ لاشاری نے چلڈرن فیلڈ منتخب کی تھی، اس کے برعکس عینا شاہ نے ہارٹ وارڈ میں ڈیوٹی لگوائی تھی۔ کیونکہ اس کا ارادہ ہارٹ سرجن بننے کا تھا۔ ایک دو جے کے ساتھ ان کی ایک اور خوش قسمتی تھی کہ ان کے رزلٹ کے باعث سی ایم ایچ میں ہاؤس جاب کا موقع مل گیا تھا۔

ڈیفنس ادارے عینا شاہ کی کمزوری تھی، ملٹری اس کی کمزوری تھی، وہ آرمی کے کسی بھی فرد کو دیکھ کر عجیب سا فخر محسوس کرتی تھی اور اب سی ایم ایچ میں ہر پل کا واسطہ تھا، وہ جب جب کسی وردی والے کو دیکھتی تو خود بخود دل کرتا کہ ہاتھ ماتھے پر لے جا کر سیلوٹ کرے۔ سامعہ لاشاری اس کے جنون پر ہنستی مگر یہ اس کے اختیار سے باہر تھا۔ ہارٹ کے وارڈ میں وہ واحد لیڈی ڈاکٹر تھی جو اپنے سینئرز کو مسکرا کر سیلوٹ کرتی تھی اور اس کی اس حرکت پر میجر ڈاکٹر زیدی جیسا سینئر سرجن بھی مسکرا دیتا تھا۔

"بچوں نے تمہیں تنگ کیا تو تم نے کون سا انہیں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

معاف کیا ہوگا۔'' عینا شاہ نے سامعہ لاشاری کی لا ابالی فطرت پر چوٹ کی مگر سامعہ لاشاری بنا کوئی جواب دیے حیران نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

وہ کافی دنوں سے دیکھ رہی تھی عینا شاہ کے تیور بدل رہے ہیں۔ وہ اب ناراض، روٹھا ہوا سورج نہیں تھی بلکہ تر و تازہ اور روح کو سرشار کرنے والی چاندنی لگتی تھی، اب اس کی گلاب کی پنکھڑی جیسے گلال ہونٹ تبسم کی وادی کو چھو کر آتے ہیں، اس کی چمکتی آنکھیں اس مسکراتے لبوں کا ساتھ دیتی ہیں۔ اب اس کی گھنیری پلکیں شبنمی قطروں سے ناآشنا ہونے لگی تھیں، امیدوں اور خوابوں کا تذکرہ اس کی زبان پر رہنے لگا تھا۔ وہ ''عینا شاہ'' جو سپنوں سے ڈرتی تھی اب وہ بھی دلکش خواب دیکھنے لگی تھی۔ سامعہ لاشاری خود وادیٔ حیرت میں غوطہ زن تھی، جو وہ چار سالوں سے نہیں کر سکی تھی وہ چند دنوں میں کیسے ہو گیا تھا اور کس نے کر دیا تھا۔

''کیا زیادہ تھک گئی ہو؟ ٹھہرو میں تمہاری لیے بھی کافی کا کپ لاتی ہوں۔'' عینا شاہ نے اس کی طویل خاموشی کو تھکاوٹ کا شاخسانہ سمجھا تو ہمدردانہ لہجے میں اس سے کافی کا پوچھ لیا۔

''یہ تبدیلی بہت مثبت ہے عینا شاہ۔ مجھے دلی مسرت ہو رہی ہے، کاش میں اپنے تاثرات بیان کر سکتی، میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ جب تم دھیما سا مسکراتی ہو تو ایسے لگتا ہے جیسے میں کسی پریوں کی وادی میں کھڑی ہوں اور ان کی ملکہ کی تاج پوشی کی جا رہی ہے اور جب جب ان لبوں کا ساتھ آنکھیں دیتی ہیں تو یقین مانو ایسا لگتا ہے کہ یہ ساری دنیا تم تسخیر کر لو گی، میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ تم کسی خوب صورت جزیرے کی ملکہ ہو۔ شاید کوئی ایسا جزیرہ ہوگا جس کا اس ملمع زدہ دنیا سے کوئی تعلق نہ ہوگا، اگر مجھے پتا ہو کہ میری کوئی ایک دعا قبولیت کا شرف پا جائے گی تو وہ دعا میں یہ ہی کروں گی کہ تمہارے یہ لب ہمیشہ مسکراتے ہی رہیں۔'' وہ بالکل چپ حیرت کی بکل مارے سامعہ لاشاری کی باتیں سن رہی تھی۔ جو باتیں وہ کر رہی تھی اس کا ادراک خود اسے سامعہ لاشاری کے بتانے پہ ہوا تھا، تو آج ثابت ہوا کہ میں ایک کھلی کتاب ہوں جسے جو چاہے، جب چاہے، جہاں سے مرضی پڑھ لے۔ اس نے سامعہ لاشاری کی طرف دیکھا وہ سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ہاں..... کچھ تو ہوا ہے، کوئی رت تو بدلی ہے کسی رخ سے، ایسی ہوا چلی ہے جس نے ''عینا شاہ'' کو بدلا ہے۔ جامد اور پُرسکون پانی میں کوئی کنکر تو گرا ہے، خود آگاہی کا ایسا بگولہ آیا ہے جس نے حقیقت کے سارے در وا کر دیے ہیں، میں سمجھتی تھی کہ مجھ سے زیادہ دکھی کوئی نہیں ہے، میں تنہا ہوں..... درخت سے کٹی ہوئی خزاں رسیدہ شاخ ہوں..... زمین پہ گرا ہوا ایک بے جان پتا ہوں جس کو ہر کوئی رول جاتا ہے، لاوارث ہوں مگر میرے سارے مفروضے غلط ثابت ہوئے۔ میں جب ان بیمار معذور لوگوں کو دیکھتی ہوں تو میں خود کو ان سے حد درجہ بہتر پاتی ہوں، میں تنہا اور لاوارث بھی نہیں ہوں۔ سامعہ لاشاری میرے ماں باپ نہیں تو کیا ہوا۔ ماں جیسی دادی تو ملی ہے ناں، یہ بیمار اور معذور لوگ میرے اپنے ہیں، میں ان سب کی مسیحا ہوں، یہ سب مجھے دیکھتے ہیں تو ان آنکھوں میں زندگی کی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے میں مجھے پتا ہی نہیں چلا میں کیسے مصنوعی مسکراتے مسکراتے دل سے مسکرانا سیکھ گئی ہوں۔ اتنی محبتوں کو پانے کے بعد میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنی ذات کے دکھ ایک گٹھڑی میں باندھ کر اپنے اندر کسی تہہ خانے میں چھپا دوں گی اور اپنے کام کے لیے زندہ رہوں گی۔'' عینا شاہ نے اس کے ہر سوال کا جواب تفصیل سے دیا اور اس کی ہر بات پہ سامعہ لاشاری آمین کہہ رہی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی ہر آمین پہ قبولیت کا ٹھپہ لگ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

زیدی ہاؤس کئی اقسام کے کھانوں کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ لاؤنج میں احسان زیدی، فہمین احسان اور مسز احسان زیدی مل کر قسام شاہ کو کمپنی دے رہے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ گھر کے سب افراد مل کر بیٹھتے یا تھوڑا وقت ایک دوسرے کی سنگت میں گزارتے ہوں۔ مسز

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

احسان زیدی ایسی حسرت دل کے نہال خانوں میں چھپائے پھرتی تھیں، لوگوں کی بہت ساری ضروریات ہوتی ہیں۔ کھانا، پہننا اوڑھنا، رہنا مگر ان کی صرف ایک ضرورت تھی کہ وہ اور ان کے بچے، شوہر بھی ایک گھرانے کی طرح رہیں، پیار، محبت، یگانگت جیسی پیاری عادتیں ان کے گھر والوں میں بھی آجائیں۔ لوگ دولت، شہرت کے پیچھے پاگل ہوتے ہیں مگر ان کی فطرت عجیب تھی، پراڈو میں بیٹھی وہ سڑک پر کھیلتے بچوں کو دیکھا کرتی تھیں اور ان بچوں کے ساتھ ہلکان ہوتیں ان کی مائیں مسز احسان زیدی کے دل میں عجیب درد بیدار کرتی تھیں۔ غریب بھوکا رہ کر بھی پُر سکون رہتا ہے، اطمینان کی نیند سوتا ہے اور امیر پیٹ بھر کر کھانے، برانڈڈ کپڑے پہننے اور مہنگی گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بھی بے سکون ہی رہتا ہے، اس کی نیند سلیپنگ پلز کی محتاج ہوتی ہے۔ یہ قانون فطرت ہے جس کے پاس جو نہ ہو وہ اسی کی خواہش کرتا ہے۔

فہمین احسان کے پُرزور قہقہے نے ان کی سوچوں کو منتشر کردیا تھا۔ انہوں نے حیران نظروں سے وہاں بیٹھے تینوں لوگوں کو دیکھا، ان تینوں کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی مگر ان تینوں کی آنکھیں ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

"آنٹی آپ کیسی ہیں.....؟ بہت عرصہ ہوگیا آپ نے "سید محل" میں چکر نہیں لگایا۔ شاہ بی بی بھی آپ کا انتظار کرتی ہیں، آپ ان سے بات بھی نہیں کرتیں۔" قسام شاہ نے گفتگو کا رخ ان کی طرف کیا۔

"کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں جن کو دیکھتے ہی دل کی دھڑکن بند ہونے لگتی ہے، حواس ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، ہر طرف آندھیاں اور جھکڑ چلنے لگتے ہیں..... سید محل کا شمار ایسی ہی جگہ میں ہوتا ہے، اپنی آدھی زندگی وہاں گزارنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وہ گھر آسیب زدہ ہے، جس کے بھوت نے میری زندگی نگل لی..... وہاں کے حکمران ایسے ہیں جو سزا بھی موت سے کم نہیں دیتے، اس لیے "شاہ بی بی" سے معذرت کرلینا..... مجھے ابھی زندہ رہنا ہے، دن رات اس کے لوٹ آنے کا انتظار کرنا ہے، میں نہیں چاہتی میرے زخم ناسور بن جائیں اور میں اس کے آنے سے پہلے مر جاؤں۔" مسز احسان زیدی بولنے پہ آئیں تو لفظوں کے ساتھ تلخی شامل ہوگئی اور وہ لہوان کی آواز سے نکل کر قسام شاہ کی آنکھوں میں سرائیت کرگیا تھا۔

فہمین احسان نے نہایت بے زاری سے مسز احسان زیدی کی طرف دیکھا، جس موضوع سے وہ کوسوں دور بھاگتی تھی وہ ہمیشہ اسی کا رونا روتی تھیں، اس نے قسام شاہ کی طرف دیکھا اور چونک گئی، آج بھی اسے اس کی آنکھوں میں کسی اور کا دکھ نظر آیا تھا..... اس کا دل جیسے مٹھی میں جکڑا گیا ہو۔

"اوہ مما..... آپ بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہیں، چلیں کھانا کھائیں۔" اس نے زیر بحث موضوع سے سب کا دھیان ہٹانا چاہا تھا مگر وہ اس بات سے انجان تھی جب بچھڑنے والوں کا ذکر ہوتا ہے تو رواں رواں سماعت بن جاتا ہے اور جسم کسی کے یادوں کے قلعے میں قید ہوجاتا ہے جس سے راہِ فرار ملنا ناممکن ہوتا ہے۔

دور کہیں سے دھواں اٹھ رہا ہے
کچھ بہت خاص جل رہا ہے
جیسے کسی کسان کی سالوں کی محنت
اک ذرا سی چنگاری سے خاک ہوجائے
تمام عمر جن کاغذوں پہ محبت لکھی
اک شک کی آگ سے وہ راکھ ہوجائیں
جن راستوں پہ محبت چلتی رہی
جن نہروں میں محبت بہتی رہی
دل کی وادی پہ محبت کے نقش پا
سب اچانک کھو گئے
اس تلک جانے کے، اس کو پانے کے
سب حوصلے ختم ہوگئے
اک آگ دور کہیں جل رہی ہے
اور نارسائی میرے اندر پل رہی ہے
نہ جانے وصل کے چھینٹے کب پڑیں گے
کب محبت کے جلتے بھانبھڑ بجھیں گے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کرب زدہ راتوں میں ایک اور رات کا اضافہ ہوگیا تھا، اس کا کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھر گیا تھا، اندر کی آگ بجھانے کے لیے اس نے اور آگ اندر انڈیلنی شروع کردی تھی..... ایک عرصے سے وہ بھی جل رہا تھا، گھٹ رہا تھا اور شاید ایک دن ختم بھی ہوجاتا..... آج بھی سارے زخم ہرے ہوگئے تھے، پرانے درد کسی چھوٹے بچے کی طرح انگڑائی لے کر جاگ گئے تھے اور کسی طرح بھی دوبارہ نہیں سو پا رہے تھے، گزرے سال کسی فلم کی طرح چل رہے تھے اور آج عرصے بعد آنکھیں بھی سارے منظر دوبارہ دیکھنے کو بے تاب ہوگئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

''شاہ بی بی یہ دیکھیے کتنی پیاری گڑیا ہے، اب میں اسی کے ساتھ کھیلوں گا اور پاپا کو بھی تنگ نہیں کروں گا۔'' پانچ سالہ بچہ چھوٹی سی، چھوٹی موئی سی پری کو گود میں لیے بیٹھا تھا، اس کے گلابی گالوں کو اپنی نرم پوروں سے چھو رہا تھا۔ شاہ بی بی اس کے پیار پہ ہنسیں اور اس کی گود سے وہ گل گوتھنا وجود لے لیا تھا۔

''ہاں بھئی جلدی سے اب نام بتاؤ، اس گڑیا کا کیا نام ہوگا۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اپنے بیٹوں ابتہاج شاہ، منہاج شاہ اور بہو علینہ ابتہاج کی طرف دیکھا۔

''شاہ بی بی اپنے پوتے کا نام بھی رکھا تھا تو پوتی کا بھی آپ ہی رکھ دیں۔'' علینہ ابتہاج نے شاہ بی بی کو اختیار سونپ دیا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے آج سے اس گڑیا کا نام عینا شاہ ہے اور آج سے ہی یہ میرے قسام کی امانت ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا۔

''کیوں بھابی، میرا بیٹا آپ کو قبول ہے؟'' منہاج شاہ نے بھاوج کو دیکھا۔

''بھائی صاحب یہ تو پہلے ہی میرا بیٹا ہے، آپ بھی گواہ ہیں بھابی کی ناگہانی موت کے بعد سے یہ میری گود میں ہی ہے، ایسے دو ہر ارشتہ بن جائے یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''

''ارے کوئی دبئی میں سائرہ کو بھی بتادے کہ اس کے بھائی کے گھر ننھی سی پری آئی ہے۔'' شاہ بی بی کے لہجے میں خوشیوں کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔

''چھوٹی امی یہ کب بڑی ہوگی اور میں کب اس سے کھیلوں گا۔'' قسام نے بے تابی سے علینہ ابتہاج سے پوچھا تھا۔

''ہاہاہا..... اتنی جلدی تو نہیں ہوگی، اس کے لیے آپ کو بے بی کا خیال رکھنا ہوگا، بے بی سے پیار کرنا ہوگا تب ہی بے بی بڑی ہوکر آپ کے ساتھ کھیلے گی۔'' علینہ ابتہاج نے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے سمجھایا اور اس نے ان کی بات مان لی تھی۔

دن ہو یا رات ہر وقت وہ اسے پاس رکھتا تھا، کھانا کھاتے وقت عینا پاس ہے تو وہ کھانا کھائے گا، ہوم ورک کرتے ہوئے اسے پاس بٹھائے گا..... لان میں کھیلتے ہوئے عینا شاہ بھی پاس رہے پھر آہستہ آہستہ اس کی ہر سرگرمی میں وہ اس کی ہم قدم بنتی گئی، اسکول گئی تو اس کی انگلی قسام شاہ کے ہاتھ میں تھی، سائیکل چلانا سیکھا تو قسام شاہ کی سائیکل ہر لمحہ ساتھ رہی..... قسام شاہ صرف ساتھی نہیں تھا بلکہ عینا شاہ کا یقین تھا..... وہ ہی اس کا بہترین دوست تھا اور اسکول کے سالوں میں اسے کوئی دوست ہی نہ مل سکا، وہ ساتھ ہے تو وہ کبھی گرے گی نہیں اور وہ کبھی اس کے بنا سائیکل چلا ہی نہیں سکی، کبھی اس کے بنا سڑک پار نہیں کرسکی..... وہ اس کا راہنما تھا اس کے قدموں کے نشانوں پہ ''عینا شاہ'' چلتی تھی اور اسے ہی کامیابی کا زینہ سمجھتی تھی، وہ ساتھ ہے تب ہی وہ محفوظ ہے اور وہ کبھی اس کے بنا باہر ہی نہیں نکل سکی حتیٰ کہ قسام شاہ کے بنا اسے ''سید محل'' بھی اپنا نہیں لگتا تھا..... اسے لگتا تھا وہ اس کا آسمان ہے وہ اس آسمان پہ چمکتا ہوا ایک سیارہ ہے..... اگر یہ وسیع آسمان نہ ہوتا تو اس کا کوئی وجود نہ ہوتا، وہ ایک لاوارث بچے کی طرح کہیں بھٹکتی رہتی..... اگر وہ ایک کہانی تھی تو اس کہانی کا عنوان ''قسام شاہ'' تھا، اگر وہ لفظ تھی تو اس کے اعراب وہ تھا، اگر وہ داستان تھی تو اس کا داستان گو وہ ہی تھا۔ یک جان دو قالب کی عملی تصویر وہ دونوں تھے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سید محل کے افراد خوشیوں کے جھولے میں جھول رہے تھے جب ان کی خوشیوں کو نظر لگ گئی، ابتہاج شاہ اور ان کی بیوی کراچی، عزیزوں سے ملنے گئے ''عینا شاہ'' کے اسکول کے سبب اسے ''سید محل'' میں ''شاہ بی بی'' کے پاس چھوڑ گئے تھے مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا، کراچی سے واپسی پر گاڑی کے شدید حادثے میں دونوں جان بحق ہوگئے اور سید محل سوگواری کی فضا میں لپٹ گیا۔ جوان جہان جنازے سید محل کیا پہنچے کہرام سا برپا ہوگیا..... شاہ بی بی تو دل پہ ہاتھ رکھتی بیٹھتی چلی گئیں اور ''عینا شاہ'' پورے قد سے گرتی چلی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

دو دن سے ہونے والی مسلسل برف باری نے لندن کو برف زار بنا دیا تھا۔ گرم کپڑے اور گرمائش کے آلات بھی ناکارہ ہوگئے تھے، گلیاں بالکل بند ہوکر رہ گئی تھیں، زندگی جمود کا شکار ہوگئی تھی۔ اسے کافی شاپ بیٹھے بہت وقت بیت گیا تھا مگر برف باری رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، اس کے چہرے سے کوفت کے تاثرات صاف نظر آرہے تھے۔ کافی وقت انتظار کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کافی شاپ کا گلاس ڈور کھولتا ہوا باہر کا جائزہ لینے لگا تھا۔

زیر زمین چلنے والی میٹرو میں چند ایک مسافر بیٹھے تھے وہ بھی کافی شاپ سے نکل کر اس میں سوار ہوگیا اور اپنی منزل سے بے خبر تھا، وہ ایسا مسافر تھا جو صحرا میں قافلے سے بچھڑ جاتا ہے اور ہزارہا کوششوں کے باوجود ان کے نقش پا نہیں ڈھونڈتا۔ منظر پہ منظر بدل رہے تھے، ٹرین رکتی اور پھر چلنا شروع ہوجاتی..... بالآخر وہ ایک اسٹیشن پر اتر گیا، باہر کا وہ ہی عالم تھا تاحد نظر سوگ کی سفید چادر لپٹی نظر آتی۔ اس کے قدم پھر انجانی سمت کو مڑ گئے۔ اس کی ہمت جواب دینے لگی تھی کافی وقت ہوگیا تھا اسے چلتے ہوئے مگر وہ رکنا نہیں چاہتا تھا..... وہ سفر کرتا ہوا اتنی دور نکل جانا چاہتا تھا جہاں اسے خود کا علم نہ ہو مگر اب پاؤں کے چھالے دکھنے لگے تھے۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی تو اس کی نظریں ساکت ہوگئیں۔

سامنے سنہری کرنوں سا گول گنبد اپنی روحانیت کا جلوہ بکھیر رہا تھا۔ اچانک اسے لگا کہ اس کے جسم کی دکھن کم ہورہی ہے، دل نے ہلکا ہلکا دھڑکنا شروع کردیا تھا۔ جس طرح سورج کی حدت برف زاروں کو زندگی دان کرتی ہے ایسے ہی سنہری رنگ کا گول گنبد اس کے سرد جسم کو دہکا رہا تھا۔ اس کی نظریں ایک بورڈ پہ آکر ٹھہر گئیں، جہاں بڑے حروف سے لکھا تھا ''اسلامک کلچرل سینٹر اینڈ دی لندن سینٹرل موسک'' جہاں نظریں ساکت ہوئی تھیں وہیں دل کو قرار آرہا تھا۔

چند سال پہلے مذہب اس کی ترجیحات میں شامل نہیں تھا اور آج بھی نہیں تھا مگر نہ جانے کیوں دل ہمک رہا تھا، نظریں سنہری گنبد کا طواف کررہی تھیں، اس نے خود کو بے بس محسوس کیا اور قدموں کا رخ سینٹر کی طرف موڑ دیا..... تھکے ہوئے قدموں سے اس نے سینٹر کا گلاس وال عبور کیا۔ پاس سے گزرتے آدمی سے اس نے وضو کرنے کے لیے جگہ کا پوچھا اور اس کی بتائی ہوئی جگہ کی طرف چل دیا۔ وضو کرتے ہوئے وہ عجیب سا لطف محسوس کررہا تھا، جسم سے سارے کیڑے اتر رہے تھے، گناہوں کی کثافت ڈھل رہی تھی اور پھر وہ تب تک وضو کرتا رہا جب تک اسے یہ یقین نہ ہوگیا کہ وہ پاک ہوگیا ہے۔

''آجاؤ فلاح کی طرف..... آجاؤ فلاح کی طرف۔''

اس کی روح تک کانپ گئی اور قدم تھم گئے تھے۔ کیا وہ اس قابل تھا.....؟ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

سید محل اداسی کے اندھیروں میں ڈوب گیا تھا اور شاید سب ہی ہمت ہار جاتے اگر قسام شاہ حوصلہ نہ پکڑتا، سب سے پہلے اس نے شاہ بی بی کو حالات سمجھائے اور زندگی کی طرف واپس لایا اور پھر عینا شاہ کا ہر آنسو پونچھا تھا۔

''عینا شاہ بسوری ہوئی شکل بنا کر یہاں بیٹھی ہیں اور میں سارے گھر میں ڈھونڈ رہا ہوں۔'' اس نے عینا شاہ کے تاثرات دیکھے جو کہ رونے کی گواہی دے رہے تھے۔ اس نے عینا شاہ کے شفاف آنسو صاف کیے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

"تم جانتی ہو ناں چاچو اور چاچی کی خواہش تھی کہ تم بہت سارا پڑھو اور ڈاکٹر بنو؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ "اسکول سے تمہاری اتنی چھٹیاں ہو چکی ہیں..... تم کیسے اچھے مارکس لاؤ گی اور اگر اچھے مارکس نہ آئے تو ڈاکٹر کیسے بنو گی..... اب اچھے بچوں کی طرح پڑھائی کرو اور چاچو چاچی کی خواہش کو پورا کرو۔"

"میرا دل نہیں کرتا اسکول جانے کے لیے۔" اس کے جواب پہ قسام شاہ حیران ہوا تھا، وہ بہت لائق اسٹوڈنٹ تھی اور کبھی اس نے ایسی بات نہیں کی تھی۔

"کیوں دل نہیں کرتا؟"

"آپ نہیں ہوتے اب میرے ساتھ، مجھے روڈ کراس نہیں کرنا آتا، مجھے اسکول کینٹین سے کچھ لینا نہیں آتا، میرا دل نہیں لگتا آپ کے بغیر، مجھے ڈر لگتا ہے، گھبراہٹ ہوتی ہے۔" یہ سب سن کر قسام شاہ ساکت رہ گیا تھا۔ عینا شاہ کی باتوں نے اسے چونکا دیا تھا، اس کی باتوں نے آج اسے احساس دلایا تھا کہ اس کا خیال رکھنا خود سے دور نہ ہونے دینا اور اس کا ہر کام خود کرنا..... عینا شاہ کے لیے اس کا جنونی پن کس حد تک نقصان دہ ثابت ہوا تھا۔ اسے قسام شاہ کی اس حد تک عادت ہو گئی تھی کہ وہ اس کے بنا کچھ کر ہی نہیں پا رہی تھی، یہ صورت حال تشویش ناک تھی۔

آئندہ چند دنوں میں شاہ بی بی کی تیسری اور آخری اولاد سائرہ احسان بھی اپنے دو عدد بچوں فہمین احسان اور زاویار احسان کے ساتھ دبئی سے لوٹ آئیں تھیں۔ سید محل جو کہ ایک ویران سرائے کی طرح ہو گیا تھا۔ اس میں بھی کچھ نئی آوازیں گونجی تھیں۔ "شاہ بی بی" کئی سالوں بعد بیٹی اور نواسے، نواسی سے مل رہیں تھیں ان سب کی آمد سے قسام شاہ کو سکون کا سانس آیا تھا، اس کے ذہن میں یہ خیال دستک دینے لگے تھے کہ فہمین احسان اور عینا شاہ تقریباً ہم عمر تھیں تو ان کی دوستی سے عینا شاہ اسے بھول جائے گی، نئے دوست بنانے کی کوشش کرے گی، اس پر انحصار کرنے کی عادت سے دور ہو جائے گی۔

وہ دونوں ایک ہی اسکول میں جانے لگی تھیں اور زاویار اسی کے کالج میں اس کا جونیئر تھا۔ عینا شاہ بھی فہمین اور زاویار کے ساتھ تقریباً بہل گئی تھی تو اس نے بھی پڑھائی پر مکمل دھیان دینا شروع کر دیا تھا۔ سرسری نظر ڈالنے سے اسے اندازہ ہو جاتا تھا کہ ان تینوں کا ٹرائی اینگل فٹ ہے مگر آہستہ آہستہ اس کے اندر کچھ کھٹکنے لگا تھا۔

اس کے امتحانات ہو رہے تھے اور وہ ان میں حد درجہ مگن تھا، انہیں مصروفیت کے باعث اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ عینا شاہ کی سالگرہ تھی جسے ہر سال وہ نہایت جوش و خروش سے مناتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا پیپر کی تیاری میں مصروف تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور وہ بھاگتا ہوا نیچے آیا، ہر طرف جھانک لینے کے بعد اسے وہ کہیں نہیں ملی تو اس نے شاہ بی بی سے پوچھا تھا۔

"ارے بیٹا وہ تو کمرے میں دبکی رو رہی تھی۔ اچانک زاویار آ گیا تو اسے بہلانے کو باہر لے گیا ہے اور کہہ رہا تھا فہمین کو لے کر وہ کسی جگہ اس کی سالگرہ منائیں گے۔ تم تو اپنی دنیا میں مگن ہو کر اسے بھول ہی گئے ہو..... بھلا ہو زاویار کا جو اسے ادھر ادھر بہلائے رکھتا ہے۔" شاہ بی بی کی بات پر اسے کرنٹ سا لگا تھا اس نے بے ساختہ گھڑی دیکھی تھی۔ جہاں رات کی دس بج رہے تھے، جلدی سے اس نے زاویار کا نمبر ملایا جو کہ بند جا رہا تھا پھر اس نے فہمین کا نمبر ملایا تو معلوم ہوا وہ بیمار تھی اور گھر پر ہی تھی۔ وہ بار بار زاویار کا نمبر ملا رہا تھا اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ آج شدت سے اسے ادراک ہوا تھا کہ عینا شاہ وہ طوطا تھی جس کے اندر اس کی جان قید تھی۔ ایک ایک پل صدیوں کا لگ رہا تھا۔ اس کا ضبط جواب دینے لگا تھا جب باہر گاڑی آ کر رکی تھی۔

وہ بے چینی سے باہر لپکا اور باہر کا منظر اس کے اوسان کو خطا کرنے کے لیے کافی تھا۔ عینا شاہ لڑکھڑا کر چل رہی تھی اور زاویار احسان اس کو سہارا دیے ہوئے تھا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا اور غیر محسوس انداز میں زاویار کے ہاتھ سے اس کا بازو تھاما اور خود سہارا دیتا ہوا اندر لے آیا تھا۔

"کیا ہوا ہے..... یہ کیسے ہوا اور تم لوگ اس وقت باہر لینے کیا گئے تھے؟" اس نے غصے سے ان دونوں سے سوال

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کیا تھا۔ اس نے بات کی ہی تھی کہ عینا شاہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تھے اور قسام شاہ اپنا غصہ پانی کی طرح پی گیا تھا، روئی ہوئی سرخ آنکھیں، بھیگے بھیگے گال اور اس کی سرخ ناک اس کے دل کی دھڑکن اتھل پتھل کر گئے تھے۔ بہت عرصے بعد اس نے غور سے اس پری وش کو دیکھا تھا اور مبہوت رہ گیا تھا۔ ان چند مہینوں میں وہ ایسا گلاب بن گئی تھی جس پہ ہر وقت اداسی کی اوس گری رہتی ہے۔ زاویار اس سے رخصت لے کر چلا گیا تو عینا شاہ کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر، خیال رکھنے کی تاکید کرتا ہوا خود چھت پر چلا آیا تھا۔

آج قسام شاہ کے دل پہ وہ وار ہوا تھا جو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتا ہے، جو شہنشاہوں کو فقیر اور فقیروں کو مرتبہ عطا کر دیتا ہے، جو صحرا کی بھول بھلیوں میں بھٹکا دیتا ہے۔ مجنوں کی طرح تھر کی تپتی ریت میں ننگے پاؤں چلنا، فرہاد بن کر قوت بازو سے محبت تسخیر کرنا، مہیوال کی طرح دریا کی گہرائیوں میں ڈوب جانا، رانجھا کی طرح جوگی بن کر عشق کے گیت گانا..... یہ سب جس محبت کے کارنامے تھے، آج وہ ہی محبت چپکے سے اس کے دل میں آبسی تھی اور قسام شاہ نے محبت کو دل میں اونچے تخت پر بٹھا لیا تھا۔

آئندہ آنے والے دنوں میں سید محل محبت کی خوشبو سے مہکنے لگا تھا، پرندوں کا گزر جب سید محل سے ہوتا تو وہ بھی محبت کا رقص دیکھ کر جھوم جاتے تھے۔ محبت دیواروں سے لپٹ رہی تھی، وصل کے گھنگھرو پاؤں سے لپٹے ناچ رہی تھی، بڑی مشہور کہاوت ہے ''عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے'' تو سید محل بھی محبت کی کارروائیاں دیکھ رہا تھا اور اپنی یادوں میں نقش کرتا جا رہا تھا۔

شاہ بی بی بھی مسکرانے لگی تھیں، محبت کی آنکھ مچولی کو بہت اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں مگر اچانک وہ آنکھ مچولی انہیں چونکا گئی تھی اور چونک تو قسام شاہ بھی گیا تھا۔ زاویار احسان ایسا پروانہ تھا جس کی شمع عینا شاہ تھی، وہ ہر وقت آنکھوں میں محبت کے دیے روشن کیے شمع پر نثار ہونے کو قربان ہونے کو تیار رہتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک، اس کے طور و انداز دیکھتے ہوئے قسام شاہ محتاط ہوا تھا۔ یہ محبت کا اسلوب ہے کہ وہ خطرے کو میلوں دور سے بھی محسوس کر لیتی ہیں اور اس کا سدباب کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ قسام شاہ خاموشی سے سب دیکھتا رہا اور پھر کچھ فیصلے کر کے مطمئن ہوگیا مگر شاید وہ اس بات سے انجان تھا کہ یہ اطمینان عارضی ہے۔

❁.....❁.....❁

ڈاکٹر عینا شاہ اپنے حسن اخلاق اور محنتی طبیعت کے باعث سی ایم ایچ کی ہونہار ڈاکٹروں میں شمار ہوتی تھی۔ چہرے پہ ملاحت، آنکھوں میں اداسی اور ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکان اس کی پہچان بن گئی تھی۔ اس کے ڈیپارٹمنٹ کا ہر انسان اس سے بخوبی واقف تھا۔ دوسروں کے دکھوں میں کام آنے والی، اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ دوسروں پہ صرف کرنے والی لڑکی سب کے لیے بہت خاص بن گئی تھی مگر کوئی بھی اس کی آنکھوں کی اداسی دور نہیں کر پایا تھا۔

ایک تھکا دینے والے دن کے اختتام پر اس نے شکر ادا کیا تھا۔ وہ بذات خود ایک ذمہ دار ڈاکٹر تھی مگر میجر ڈاکٹر زیدی کے ساتھ ہوتے ہوئے وہ اور محتاط ہو جاتی تھی، ڈاکٹر زیدی بہت ذمہ دار ڈاکٹر تھے اور ذرا سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ سے نکلی اور سامعہ لاشاری کے ڈیپارٹمنٹ کی طرف آ گئی تھی۔ آج کل ان دونوں کی ڈیوٹی ٹائمنگ ایک تھی جس کے باعث وہ ایک ساتھ ہی واپسی کے لیے نکلتی تھیں۔ ریسپشن سے سامعہ لاشاری کا پوچھتے ہوئے اس کی صبا ذوالقرنین پر نظر پڑی تھی تو اس کو پریشانی نے گھیر لیا۔ وہ جلدی سے اس کی سمت بڑھی تھی۔

''صبا خیریت ہے، تم یہاں کیسے؟'' اس نے پاس کھڑی صبا سے پوچھا۔ صبا ذوالقرنین کے چہرے پر بھی خوشی کا تاثر ابھر آیا تھا۔

''میں تو اپنے بیٹے کا چیک اپ کروانے آئی تھی مگر تم یہاں ہو مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔'' اس کے لہجے میں خوشی کا عنصر غالب تھا۔

''اوہو..... کیا ہوا چھوٹے منے کو؟'' اس نے بچے کے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

گالوں کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

"بس یار سردی کی وجہ سے بخار ہوگیا ہے۔" اس نے بچے کی بیماری کا بتایا۔

"تم لاہور کب جارہی ہو؟" اس کے سوال نے عینا شاہ کو ساکت کردیا تھا۔

"کچھ پتا نہیں، سننے میں آیا ہے میرا ٹرانسفر لاہور ہی ہوگا، باقی دیکھو کیا ہوتا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے جواب دینا پڑا تھا۔

"ویسے سننے میں آیا ہے قسام شاہ اور فہمین احسان ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں، کافی ٹائم ایک دوسرے کے ساتھ گزارتے ہیں اور شاید وہ کوئی رشتہ بھی بنالے۔" صبا ذوالقرنین نے اس پر بم پھوڑا مگر اس نے اپنے تاثرات نارمل ہی رکھے تھے۔

"اچھا..... اس سب سے مجھے کیا لینا دینا، جس کا جو دل چاہے کرے۔"

"تم میری بہت اچھی دوست ہو، میں نہیں چاہتی تمہارے ساتھ کچھ برا ہو، میں نہیں جانتی تم لوگوں کے آپس میں کیا مسائل ہیں مگر میں اتنا جانتی ہوں سب کچھ کھونے سے پہلے اسے پانے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔" اس کے سنجیدہ تاثرات نے صباذوالقرنین کو خاموش کرادیا تھا۔

"کیا ہوا عینا شاہ، تم ایسے خاموش کیوں کھڑی ہو؟" سامعہ لاشاری اس کی حالت دیکھ کر چونکی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا اور واپسی کے لیے قدم بڑھادیے تھے۔

بہت عرصے بعد سامعہ لاشاری کو آج وہی عینا شاہ نظر آئی تھی۔ خود سے بیگانہ، اردگرد سے بے پروا، بھیگی ہوئی آنکھیں اور ساکت ہونٹ لیے وہ آج پھر کھڑکی کھولے کھڑی تھی۔ سردی سے بے نیاز، ہوش وحواس سے بے بہرہ آسمان کی وسعتوں کو گھور رہی تھی اور سامعہ لاشاری خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کررہی تھی۔

"عینا شاہ..... درد بانٹ لینے سے درد کا احساس کم ہوجاتا ہے، ان لبوں کو کیوں قفل لگا رکھا ہے، ایسا کون سا دکھ ہے جس نے تمہاری سوچ کو کائی زدہ کردیا ہے، ایسا کون سا درد ہے جس کی زنجیر تمہیں آزاد نہیں کرتی، اندھیروں اور مایوسیوں سے نجات حاصل کرلو۔" سامعہ لاشاری آج پھر اسے سمجھا رہی تھی۔

"اتنے سالوں سے میرے ساتھ امید کا سہارا تھا، آنکھوں میں آس کے موتی چمکتے تھے، ہر بہنے والے آنسو میں یہ امید تھی کہ اسے اپنے الفاظ غلط لگنے لگیں گے۔ مجھے یہ آس تھی کہ وہ کبھی آئے گا اور مجھے میرے درد سے آزاد کردے گا، میرے زخموں پہ مرہم رکھ کر میرا مسیحا بن جائے گا..... مگر میں غلط تھی، میری امید میری آس غلط تھی، اسے میری ضرورت ہی نہیں ہے، وہ تو ایک نیا جہاں تلاش کررہا ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو زاروقطار بہہ رہے تھے۔ سامعہ لاشاری نے اسے گلے لگانا چاہا مگر وہ بستر پر جاکر لیٹ گئی اور آنکھوں پہ بازو رکھ لیے۔ سامعہ لاشاری بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

چند دنوں سے اس کا معمول بن گیا تھا وہ دل کی آواز پر لبیک کہتا ہوا "اسلامک کلچرل سینٹر" میں روز آنے لگا تھا، آغاز میں تو اس کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی کہ داخلی دروازے سے چند کوس آگے جاسکے مگر رفتہ رفتہ ندامت سے سر جھکائے آنکھوں میں شرمندگی لیے وہ وہاں کے معمول کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ ایک تسلسل تھا، روانی تھی، روحانی الفاظ کی بازگشت سنائی دیتی اور فضاء میں سکوت چھا جاتا تھا، مخلوق عالم وجد کی کیفیت کا شکار ہوجاتی تھی، لوگ قطار در قطار آتے تھے، صفیں باندھ لی جاتی تھیں اور وہ بے خودی کے عالم میں سب حرکات دیکھتا رہتا تھا۔

یہاں اس مسجد میں اسے کائنات کی بہت بڑی حقیقت کا ادارک ہوا تھا، کسی بات کو ساری عمر سننا اتنا معنی نہیں رکھتا جتنا کہ اس پر عمل دیکھ کر انسان متاثر ہوتا ہے، وہ بچپن سے مساوات اور تقویٰ کے اسباق سنتا آیا تھا، پڑھتا آیا تھا مگر یہاں اس سنہری گنبد کے نیچے اسے ان دو لفظوں کی سمجھ آگئی تھی۔ یہاں صرف ایک امام آگے کھڑا تھا اور پیچھے کھڑی صفیں سرور کائنات حضور اکرم ﷺ کے اس آفاقی درس کی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

گواہ تھیں، جس کا مفہوم تھا۔

''اسلام میں سب لوگ برابر ہیں، اس لیے کہ سب آدم کی اولاد ہیں، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر، سوائے پرہیز گاری کے کوئی برتری نہیں۔''

اس مسجد میں کئی خطوں کے لوگ جمع ہوتے تھے مگر سب کے انداز اپنائیت سے بھرپور ہوتے تھے، اجنبیت کی دیواریں کہیں دور ہی رہ جاتی تھیں..... یہاں آتے ہوئے اسے صرف چند دن ہوئے تھے مگر اکثر لوگ ہونٹوں پہ استقبالیہ مسکراہٹ لیے ہوئے اسے دیکھتے تھے، یہ بات اسے ورطۂ حیرت میں ڈالتی تھی مگر شاید وہ اس بات سے انجان تھا کہ ملامت کرنے والا نفس کم لوگوں کو عطا کیا جاتا ہے اور جو لوگ توبہ کی درخواست لیے دنیا کی سب سے بڑی عدالت میں پہنچتے ہیں تو وہاں انصاف ہی ہوتا ہے کیونکہ اس عدالت کا جج ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے، جو بنا کسی فرق کے سب کو عطا کرتا ہے، جو ظالم کا رب ہے، فاجر کا رب ہے، فاسق کا رب ہے، عیسائی، یہودی اور نصرانی سب کو اپنے قبضۂ قدرت میں لیے ہوئے ہے۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھا کہ اسے احساس ہوا کوئی وجود اس کے پاس آ کر رکا ہے، اسے لگا تھا کہ کوئی معمول کے مطابق اس کا حال احوال پوچھنے آیا ہوگا اور پوچھ کر چل دے گا مگر اب وہ انسان اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں نے بڑی مشکل سے گمان کے پردے چاک کیے اور دماغ نے حقیقت کی مہر لگائی تھی۔ اس مسجد کی بے شمار صفوں کی راہنمائی کرنے والا اس کے سامنے براجمان تھا۔

''بیٹا میں آپ کو کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں، آپ آتے ہیں اور یہیں بیٹھ کر واپس چلے جاتے ہیں، اتنا تردد کرتے ہیں تو اس فرض کی ادائیگی بھی کر لیا کریں جو انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔'' وہ حیرانی سے سامنے بیٹھے شخص کی باتیں سن رہا تھا۔ چہرے پر نور کی برسات تھی تو لہجہ حلاوت کا دریا بہاتے ہوئے محسوس ہو رہا تھا۔

''میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس فرض کی تکمیل کر سکوں۔'' اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''عزت اور ذلت دینے والا صرف اللہ ہے، آپ کو یہاں بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ آپ کی جبین مقام بندگی کو چھو سکے، یہ قدم بے مقصد اس دہلیز تک نہیں آتے، اس لیے آگے بڑھیں اور اس جبیں کو سرفرازی عطا کیجیے۔'' ان کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

''جس جبین پر بدبختی اور ذلت کا نشان ہو، جس پیشانی پر بدکاری کی کالک لگی ہو، جو ہونٹ بہتان بازی سے ایک لڑکی کی زندگی تباہ کر چکے ہوں وہ کیسے اس کی بارگاہ میں جھکیں اور اس کا ذکر خیر کریں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''آنسو ندامت کی پہلی منزل ہوتے ہیں، اس کے بعد توبہ کا مرحلہ آتا ہے پھر سکون مل جائے تو بندہ مراد پا جاتا ہے۔''

''مجھ جیسے گناہ گار کی توبہ کیسے قبول ہو سکتی ہے، مجھ پہ توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں، مجھے گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیا گیا ہے جہاں ذلت کے اندھیرے مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔'' آنکھوں سے دریا بہہ رہا تھا۔

''توبہ کا دروازہ تو کافروں کے لیے بھی کھلا ہے اور تب تک کھلا رہے گا جب تک زمین اور آسمان آپس میں مل نہیں جائیں گے، جب تک پہاڑ زمین بوس نہیں ہو جائیں گے، جب تک سورج مغرب سے نہیں نکل آتا..... اس لیے برخوردار اس ذاتِ کریمی سے مایوس نہ ہو، بے شک وہ ذات بخشنے والی اور رحم کرنے والی ہے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے۔

توبہ کرو عنقریب تمہارا پروردگار تمہاری برائیوں کو مٹا دے گا۔

تو ایک دفعہ دل کے آنسو آنکھ سے بہا کر دیکھ لو کیونکہ وہ اپنی طرف آنے والوں کو مایوس نہیں کرتا بلکہ جو چل کر آتا ہے وہ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔'' زاویار احسان کو لگا جیسے آج عرق ندامت قبول ہو گئے ہو۔ آج اس کے لیے معافی کا در کھولا گیا تھا اور اب یہ اس پر منحصر تھا کہ وہ کیسے اس در سے قبولیت کا شرف پاتا ہے۔ وہ آہستہ سے اٹھا اور سنہری

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

گنبد کے نیچے آ کھڑا ہوا اور ''اللہ اکبر'' کے لیے اٹھے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

قسام شاہ کی عادت تھی ایک بار جو ٹھان لی وہ کر کے ہی سکون کا سانس لینا ہے، راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دلائل سے ہٹا دیتا تھا، اس بار بھی قسام شاہ نے فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلہ پر ڈٹ گیا تھا، منہاج شاہ، شاہ بی بی اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے مگر وہ اپنی بات پر قائم ہی رہا تھا۔

شام کے وقت سید محل کے لان میں ایک دفعہ پھر نشست جمی تھی، شاہ بی بی نے اسے سمجھانے کی ایک کوشش پھر سے کرنا چاہی تھی، منہاج شاہ تقریباً اس کی ضد کے آگے ہار گئے تھے اور اسے اسی بات کا یقین تھا کہ وہ شاہ بی بی کو بھی راضی کرے گا۔

''شاہ جی' آپ صرف اپنے فیصلے کو مدِ نظر رکھ رہے ہیں، حالات کو سمجھئے اور واقعات کی نوعیت کو پرکھیے، آپ کے اس فیصلے سے صرف آپ کو ذاتی تسکین حاصل ہو سکتی ہے مگر عینا بچی بہت زیادہ ڈسٹرب ہوگی، یہ فیصلہ اس کے لیے بہت غلط ہے، اس وقت وہ ہم سے میلوں دور بیٹھی ہے، اس کا مقصد اور اس کے حصول کے لیے وہ جہدِ مسلسل کر رہی ہے تو آپ ایک دم اسے ایک نئے رشتے میں باندھنا چاہ رہے ہیں۔ وہ آپ سے منسوب ہیں اور ہمیں اس بات کا ادراک ہے مگر اس وقت نکاح کرنا قبل از وقت ہوگا۔ صرف دو سال ہی تو رہ گئے ہیں اس کی تعلیم مکمل ہونے میں پھر سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔'' شاہ بی بی نے اپنا مدعا بیان کیا تھا مگر اس کے تاثرات میں قائل ہونے کی ذرا سی بھی رمق نہیں تھی۔

''شاہ بی بی مجھے اس سے زیادہ اس کے خواب عزیز ہیں، اسی لیے میں نے اسے یہاں سے اتنی دور بھیجا کہ وہ پُر اعتماد ہو کر اپنے مقصد کے لیے کوشش کرے۔ میری تو یہ ہی خواہش تھی کہ میں نکاح کر کے ہی اس کو ایبٹ آباد بھیجوں اور میں ہر حال میں ایسا ہی کرتا مگر میں اس کے اندر وہ اعتماد، خود شناسی دیکھنا چاہتا تھا جو آج کی لڑکیوں میں ہونی چاہیے، میں جانتا ہوں وہ کوئی سطحی سوچ رکھنے والی لڑکی نہیں ہے جو نکاح کے بعد اپنے خواب توڑ دے گی بلکہ وہ اور لگن سے اس معاملے کو حل کرتے ہوئے اپنی پڑھائی پوری کرے گی اور رخصتی تو اس کے ڈاکٹر بننے کے بعد ہی ہوگی۔'' اس نے شاہ بی بی کے ہر وہم کو چٹکیوں میں اڑا دیا تھا۔ منہاج شاہ اور شاہ بی بی یہ سب اس کی جذباتیت سمجھ رہے تھے مگر وہ اس بات سے یکسر انجان تھے کہ وہ کئی سالوں سے یہ پروگرام بنا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا خواب تھا کہ وہ بزنس کی ڈگری یورپ سے حاصل کرتا مگر زاویار کی آنکھوں سے شعلوں سی لپکتی محبت اور عینا شاہ کی معصومیت نے اس کے ہر خواب کو ملیا میٹ کر دیا تھا، اس نے محبت کے سامنے خواب قربان کر دیا تھا۔ وہ اپنی تعلیم حاصل کرتا رہا اور زاویار کو اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ جانے کا مشورہ دے دیا اور وہ اس کی بات مانتے ہوئے چلا بھی گیا تھا۔

عینا شاہ نے ایف ایس سی میں اعلیٰ نمبر لیے تو اس نے میڈیکل کی ڈگری کے لیے میڈیکل کالج، ایبٹ آباد کا انتخاب کیا، فطرتی خوب صورتی اس کی کمزوری تھی۔ شاہ بی بی کی ازحد مخالفت کے باوجود قسام شاہ نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ وہ یہ ہی چاہتا تھا کہ عینا شاہ اس کے سہارے کے بنا زندگی گزارے اور پُر اعتماد شخصیت بنے۔ ان دنوں فہمین احسان، قسام شاہ کی بہترین دوست بننے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ اسے یکسر نظر انداز کر رہا تھا۔ سب کچھ اس کے طے شدہ منصوبہ کے مطابق ہو رہا تھا اور اب اس کے منصوبے کا دوسرا حصہ شروع ہونے والا تھا۔ زاویار اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آ رہا تھا جب کہ عینا شاہ کی تعلیم کے ابھی دو سال باقی تھے۔ اس نے سوچا اور معاملہ شاہ بی بی کے سامنے رکھ دیا، آئندہ چند دنوں میں عینا شاہ چھٹیاں گزارنے آنے والی تھی اور وہ ان ہی دنوں میں نکاح کرنا چاہتا تھا۔ سب اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے مگر وہ اپنی ضد پر قائم تھا اور بالآخر انہیں بھی ماننے پر مجبور کر لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

سید محل میں بہت عرصے بعد خاموشی کا سکوت ٹوٹا تھا،

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بہت عرصے بعد زندگی کا احساس ہوا تھا۔ صبح سے عینا شاہ مسلسل بول رہی تھی۔ شاہ بی بی کے پیچھے کسی بچے کی طرح لگی ہوئی تھی، وہ کچن میں ہوتیں تو وہ سلیب پر چڑھی چاکلیٹ کھانے کے ساتھ اپنے قصے کہانیاں سنا رہی ہوتی، شاہ بی بی لان میں آ کر بیٹھیں تو اسے اپنے پودوں اور پھولوں کی بدحالی کا احساس ہونے لگا، مٹی سے بھرے ہاتھوں سے کام کرتے ہوئے بھی اس کے منہ سے کوئی نہ کوئی کہانی جاری ہوتی تھی۔ اس وقت بھی وہ شاہ بی بی کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی کالج کے قصے سنانے میں مگن تھی کہ اچانک شاہ بی بی کو نکاح کی بات یاد آ گئی تھی۔

"بیٹا جی آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے۔" سرپرائز کا نام سنتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کیسا سرپرائز.....! ہم کہیں گھومنے تو نہیں جا رہے؟"

"نہیں..... ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم قسام شاہ کی اور آپ کی منگنی کو باقاعدہ اناؤنس کرتے ہیں اور ساتھ ہی آپ دونوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔"

"نہیں شاہ بی بی..... ابھی تو میں پڑھنا چاہتی ہوں، مجھے ڈاکٹر بننا ہے اور پھر سرجن بننا ہے، میں اتنی جلدی شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے عذر پیش کیے مگر شاہ بی بی نے اسے آرام سے سمجھایا اور اس کے خدشات دور کرتی رہیں۔ رات کے کھانے پر روٹھے روٹھے انداز اپنائے ہوئے وہ۔ سیدھی قسام شاہ کے دل میں اتری جا رہی تھی۔ چونکہ سب نے اپنے کمروں کا رخ کیا اور وہ سونے کی بجائے اس کی طرف چلی آئی تھی۔ آہستگی سے دروازہ ناک کیا اور اندر داخل ہو گئی۔

قسام شاہ بیڈ پر بیٹھا گود میں لیپ ٹاپ رکھے کسی کام میں مگن تھا، اس کے آنے پہ گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ مضطرب سی کھڑی ہاتھوں کو مسل رہی تھی اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر قسام شاہ کو ہنسی آ گئی تھی۔

"آؤ..... یہاں بیٹھ جاؤ۔" اس نے ٹانگیں سمیٹتے ہوئے اسے بیٹھنے کو کہا اور وہ چپ چاپ بیٹھ گئی تھی۔ کئی لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے تھے۔

"وہ..... مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔" اس کے لہجے سے وہ روانی اور شوخی مفقود تھی جو اس سے پہلے ہوتی تھی۔

"جی..... کہیے میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"آپ مسکرانا بند کریں گے تو میں کچھ کہوں گی ناں۔" اس نے جھلاتے ہوئے اس کی مسکراہٹ پہ چوٹ کی تھی۔

"مادام..... آپ میری مسکراہٹ پر غصہ نہ اتاریں بلکہ تھوڑا سا خود بھی مسکرا لیں، دل کا بوجھ کچھ کم ہو جائے گا۔" اس نے روٹھے ہوئے بچے کی طرح اسے دیکھا تھا۔

"میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتی، میں ڈسٹرب ہو جاؤں گی، مجھے ابھی صرف ڈاکٹر بننا ہے۔" بات کے اختتام پر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ اسے لگا تھا جیسے اس کا دل ان سفید آنسوؤں میں ڈوب گیا ہو، ایک لحظہ کو اس کا دل کیا کہ وہ ان روٹھی ہوئی آنکھوں کو مسکراہٹ دے دے مگر وہ کوئی خطرہ نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے لیپ ٹاپ ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی طرف سرک آیا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اس کے معصوم آنسو صاف کیے۔ اس کی شریر لٹیں کانوں کے پیچھے کیں اور اس کی حیران آنکھوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔

"ان کانچ سی آنکھوں میں آنسو بالکل اچھے نہیں لگتے بلکہ آنسو کیا ان میں اداسی کی ایک رمق بھی مجھے نظر آئے تو مجھے اس سے حسد محسوس ہوتا ہے، میرے علاوہ کیسے کوئی ان آنکھوں میں داخل ہو سکتا ہے، یہ آنکھیں ایک شفاف آئینہ ہیں جن میں صرف میرا عکس نظر آ سکتا ہے۔ باقی سب شجر ممنوعہ ہیں، اداسی شکستگی اور نا امیدی اب کبھی ان آنکھوں میں داخل نہیں ہو سکتی۔" اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ تو آج تک یہ ہی سمجھتی رہی تھی صرف وہ ہی درباب عشق پہ کاسہ لیے بیٹھی ہے، یک طرفہ محبت آگ کے دریا سی ہوتی ہے۔ اپنے خیالوں میں صرف وہ اکیلی ہی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اس آگ کو عبور کررہی تھی لیکن محبت کے در پہ انتظار کا دیپ لیے صرف وہ اکیلی نہیں بیٹھی تھی بلکہ وہ بھی اس کے ساتھ تھا اور یہ اطمینان اسے اندر تک شاد کر گیا تھا۔ اس کی روح پر محبت کی ٹھنڈی پھوار برس رہی تھی اور اس کی جھکی نگاہیں قسام شاہ کو اس کا جواب دے گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

نکاح کی تیاری زور وشور سے جاری تھی، زیدی ہاؤس میں بھی اطلاع کردی گئی تھی۔ منہاج شاہ اور شاہ بی بی سب سے زیادہ پُرجوش تھے، بہت سالوں بعد سید محل میں خوشیاں راج کررہی تھیں، نکاح سے کئی دن پہلے ہی سید محل برقی قمقموں سے سجادیا گیا تھا۔ شاہ بی بی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان دونوں کے لیے چاند تارے توڑ کر لے آئیں۔ عینا شاہ کی آنکھیں اپنے ماں، باپ کو سوچ کر بار بار بھر آتیں تھیں مگر شاہ بی بی اپنی آنکھیں خشک ہی رکھتی تھیں، آنکھوں کے آنسو دل میں اتار کر عینا شاہ کو ہنسانے میں مگن رہتی تھیں۔

نکاح کے لیے اس کا لہنگا قسام شاہ نے اپنی پسند کا لیا تھا۔ اس کے بے حد اصرار کے باوجود بھی وہ اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ ابھی تک اس کی آنکھوں کے سامنے اس رات والے مناظر گھوم رہے تھے۔

نکاح کا دن بھی آن پہنچا تھا۔ وہ خود کو تنہا تنہا محسوس کررہی تھی، اس کی یہاں کوئی خاص دوست نہیں تھی، میڈیکل کالج میں بھی وہ صرف ایک ہی دوست بنا پائی تھی مگر وہ بہت دور تھی۔ فہمین احسان سے اس کی اچھی خاصی دوستی تھی مگر اس خاص موقع پر وہ بھی دور دور ہی تھی، زاویار ابھی تک آیا نہیں تھا اور قسام کے سامنے جانے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا، اس کی بولتی آنکھیں عینا شاہ کو خفیہ پیغام دیتی تھیں اور وہ سحر زدہ سی رہ جاتی تھی۔

عشاء کی نماز کے بعد چھوٹی سی فیملی گیدرنگ میں عینا شاہ کو قسام شاہ کے نام کردیا گیا تھا، قسام شاہ نے خود کو مسرت کے ساتویں آسمان پر محسوس کیا تھا جو لڑکی زندگی کی اولین ترجیح تھی آج وہ اس کی زوجیت میں آ گئی تھی، آج وہ ہر خطرے سے بے نیاز ہوگیا تھا۔ اس کی محبت مجسم پیکر بن کر اس کے سامنے براجمان تھی۔ عینا شاہ گولڈن کلر کا لہنگا پہنے اس کے حواس معطل کررہی تھی۔ عینا شاہ کو اس نے ہمیشہ سادہ اور عام سے حلیے میں ہی دیکھا تھا۔ اس کی سادگی، پاکیزگی اور حیاء میں لپٹی محسوس ہوتی تھی اور وہ اس کی اسی سادگی پر مرمٹا تھا مگر آج اس کے رنگ ڈھنگ اسے سحر زدہ کررہے تھے، زرق برق لباس پہنے، زیورات کو کسی اعزاز کی طرح خود پہ سجائے وہ پریوں کو بھی مات دے رہی تھی۔ حسن کا شہزادہ اس پرستان کی ملکہ پر فدا ہوگیا تھا۔

آہستہ آہستہ مہمان رخصت ہونے لگے تھے۔ عیناہ شاہ کو فہمین احسان اس کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔ قسام شاہ لاؤنج میں بیٹھا باقی سب کے اٹھنے کا انتظار کررہا تھا، کافی وقت انتظار کے بعد اسے ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے تو مجبوراً وہ سب کو باتوں میں مگن دیکھ کر خود ہی کھسک گیا تھا۔ وہ عجلت میں دروازہ ناک کیے بنا ہی اس کے کمرے میں داخل ہوگیا اور اندر کا منظر دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔ وہ ہی ہوا تھا جس کا اسے ڈر تھا، عینا شاہ بڑے اہتمام سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی زیور اتار رہی تھی۔ اس نے دو قدموں میں درمیانی فاصلہ عبور کیا اور اس کے پاس پہنچ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ کیا کررہی ہیں محترمہ، دل کے ارمان کیوں خاک کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔" وہ حیران نظروں سے قسام شاہ کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ میرے کمرے میں کیسے آگئے، بلکہ کیوں آگئے؟ شاہ بی بی دیکھیں گی تو ڈانٹ پڑ جائے گی۔" اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ہم تو اس حسن کو خراج تحسین پیش کرنے آئے ہیں، اس ملکہ کو دل کی مسند پر براجمان کرنے آئے ہیں اور آپ ہماری بیگم ہیں کس کی جرأت ہے ہمیں ڈانٹے۔" قسام شاہ نے اسے آنکھوں میں سمایا اور آنکھوں کے راستے دل میں اتار لیا تھا۔ اس کے چہرے پہ سات رنگ بڑی جلدی سے آئے تھے اور حیاء کی لالی میں سما گئے تھے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اس نے بہت پیار سے اس کو دونوں کندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گیا، اس کے نازک ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور خوب صورت ڈائمنڈ رنگ پہنا دی۔

"آپ مجھے گھورنا بند کریں گے۔" اس کے گھورنے سے وہ حد درجہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

"آؤ چھت پہ چلتے ہیں۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور عینا شاہ نے خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کی ہمراہی میں چلتے ہوئے وہ خود کو معتبر سمجھ رہی تھی۔

چودھویں کا چاند آسمان پر چمل رہا تھا، رات کا خاموش پہر اور تنہائی کے لمحات تھے۔ عینا شاہ خود کو مضبوط پناہوں میں تصور کر رہی تھی اور قسام شاہ نثار ہوتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آج مجھے یہ ہوائیں بھی گنگناتی ہوئی لگ رہی ہیں، تمہاری ہمراہی میں ایسا سرور ہے کہ میں ماحول کو باندھ کر، وقت کی طنابیں کھینچ کر ہر پل تمہارے سنگ امر کرنا چاہتا ہوں۔" قسام شاہ دھیمے سے اس کے کانوں میں زندگی کی نوید دے رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے روبرو تھے اور خاموش نگاہوں سے محبت کے اصول بیان کر رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

عینا شاہ کو ان چند دنوں میں محسوس ہو گیا تھا کہ محبوب کی محبت ملنا کتنی خوش قسمتی ہوتی ہے، یہ انمول انعام ہوتا ہے جو کہ اس کی جھولی میں ڈال دیا گیا تھا۔ وہ ابھی تک حیرت کے سمندر میں غرق تھی۔ اس کے دن و رات مدہوش گزر رہے تھے۔

سنہری جھیل کے کنارے پر
بڑے اہتمام سے
خوبصورتی کا پیرہن اوڑھے
کبھی پانی پہ رقص کرتے ہوئے
کبھی فضاؤں میں اڑتے ہوئے
کبھی پھولوں سا مہکتے ہوئے
محبت براجمان ہے
ٹکٹکی لگائے ہوئے دیکھ رہی ہے
کہیں سے کوئی گداز دل انسان آئے
اور وہ اک نشے کی طرح
اس کے دل و جان سے لپٹ جائے
اور اسے حواس سے بیگانہ کر دے
اپنے جال میں پھنسا کر دیوانہ کر دے

قسام شاہ کی نظروں سے اس کے دل کا حال سنتے ہوئے دن پر لگا کر اڑ گئے تھے اور واپسی کا دن آن پہنچا تھا۔ صبح سے کئی بار اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ صرف آج کا دن تھا کل سے اسے پھر اپنے پرانے خواب کی تگ و دو میں لگ جانا تھا کیونکہ اس کا نیا خواب تو قسام شاہ تھا جس نے ان چند دنوں میں محبت کو آس بنا دیا تھا اور اس کی مضبوط ڈور اس کے نازک ہاتھوں میں پکڑا دی تھی اور اس نے عہد کیا تھا وہ خود ٹوٹ جائے گی مگر محبت کی اور آس کی یہ ڈور کبھی نہیں ٹوٹنے دے گی۔

منہاج شاہ، شاہ بی بی، قسام شاہ اور عینا شاہ لان میں بیٹھے چائے پینے میں مصروف تھے۔ شام دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہی تھی اور سورج اپنی کرنیں سمیٹ رہا تھا۔ سب اس کا دل بہلانے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ سب کے درمیان بیٹھی اپنے آنسو پینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اچانک وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ اسے اندر گئے چند پل ہی ہوئے تھے کہ اس کا موبائل جو کہ باہر ہی رہ گیا تھا، بجنے لگا تھا۔ قسام شاہ نے موبائل اٹھایا اور اندر کی جانب آ گیا۔ موبائل مسلسل بج رہا تھا اور عینا شاہ اسے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے کال ریسیو کی تاکہ کال کرنے والے کو ہولڈ کا کہہ کر اسے ڈھونڈے مگر فون کان سے لگائے ہی وہ ساکت رہ گیا تھا۔

"تم ایسا کیسے کر سکتی ہو عینا شاہ۔ میری محبت کی شدتوں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی تم کیسے کسی اور کی ہو سکتی ہو، کئی سالوں سے تم مجھے امید دلاتی رہیں، اظہار محبت کرتی رہیں، ملن کے وعدے، چاہت کی رسمیں..... تم سب کچھ کیسے بھول سکتی ہو، میں تڑپ رہا ہوں سلگ رہا ہوں، تم کیسے اتنی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

انجان ہوسکتی ہو..... تم بول کیوں نہیں رہیں.....؟ میری محبت بے وفائی نہیں کرسکتی، تمہارے ساتھ ضرور زبردستی ہوئی ہے، میں رات میں آؤں گا جو کچھ بھی تمہارے دل میں ہے بتا دینا مجھے۔" موبائل کان سے لگائے قسام شاہ وہیں بیٹھتا چلا گیا تھا۔ زاویار احسان کی آواز نہیں تھی، صور اسرافیل تھی جس نے اس کے کانوں کے پردے شل کردیے تھے۔ اس کے سامنے عینا شاہ کی ساری زندگی تھی اور سب سے بڑھ کر ان چند دنوں میں اس کے چہرے سے پھوٹتی خوشیوں کی کرنیں تھیں، وہ کیسے یہ سب مان لیتا مگر وہ اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتا ہے۔ یہ موبائل نمبر اس کے پاس کیسے گیا کیونکہ یہ موبائل اس نے صرف دو دن پہلے اسے گفٹ کیا تھا۔

"مجھے اس بارے میں اس سے پوچھنا ہے..... نہیں رات کا انتظار کرنا چاہیے۔" شک کی امربیل اس کے وجود کو لپیٹ رہی تھی۔ اس کی محبت کے آئینے پر بڑی زور کا پتھر لگا تھا۔ اس نے آہستگی سے موبائل وہیں رکھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ وقت تھم سا گیا تھا، زندگی ایک دم بے رونق ہوگئی تھی۔ کبھی اس کے اندر نفرت کا طوفان اٹھنے لگتا تو کبھی محبت کی ہوا اس طوفان کا رخ موڑ دیتی تھی۔ میز ٹیبل پہ پڑا ایش ٹرے چند گھنٹوں میں بھر گیا تھا۔ سگریٹ سے نکلتے دھویں کی طرح وہ بھی سلگ رہا تھا۔

نہ جانے کتنے پہر گزر گئے تھے یا صدیوں کا فاصلہ طے ہوگیا تھا جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کے "یس" کہنے پر جو جو اندر آیا اس نے اسے چونکا دیا تھا۔

"اوہو..... نئے نویلے دولہا میاں یہاں براجمان ہیں..... ایسا کون سا دکھ لگ گیا جو کمرے میں اندھیرا کیے بیٹھے ہو؟"

"تم بتاؤ..... اچانک کیسے آنا ہوا؟" اس نے فہمین احسان سے براہ راست پوچھا تھا۔

"زاویار کو عینا شاہ سے کچھ پرسنل کام تھا۔ اس نے مجھے بھی گھسیٹ لیا، شاید اکیلے میں اسے ڈر لگتا ہے۔" اس نے پرسنل پہ کچھ زیادہ ہی زور دیا تھا۔ اس کے اندر جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔

"تم یہاں بیٹھو..... میں چند لمحوں میں آتا ہوں۔" اس نے گولی کی رفتار سے باہر نکل کر اس کے کمرے کا رخ کیا تھا۔

چند لمحوں کے لیے وہ اس کے دروازے کے باہر رکا تھا، اندر سے عینا شاہ کے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ دیکھنا تو دور کی بات تھی وہ سوچ کر ہی لرز گیا تھا۔

"تم میرے بغیر شادی کیسے کرسکتی ہو، تمہیں کتنی کالز کیں، کتنے پیغام بھیجے مگر تم نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ مجھے ایسے کیسے نظر انداز کرسکتی ہو۔" زاویار کی رقت آمیز آواز باہر تک آرہی تھی۔

"میں کچھ کر ہی نہیں سکی، سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں خود حواس باختہ تھی، ورنہ میں کبھی ایسے نہ ہونے دیتی۔" عینا شاہ کی آواز سنائی دی تھی۔

قسام شاہ کا ضبط جواب دے گیا تھا، اس سے زیادہ سننا اس کے بس میں نہیں تھا، اسے محبت تھی مگر وہ محبت میں اندھا نہیں ہوا تھا، اس نے زوردار لات مار کر دروازہ کھولا تو اندر کا ماحول یک دم ساکت ہوگیا۔ اس نے خونخوار نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور دوسری نظر اس نے عینا شاہ کا ہاتھ زاویار احسان کے ہاتھ میں تھا۔ عینا شاہ کچھ کہنے کے لیے آگے بڑھی تھی مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے ادھر ہی روک دیا تھا۔

"بس..... بہت دھول جھونک لی تم لوگوں نے میری آنکھوں میں، بہت تماشا بنالیا، میرا اور میری محبت کا، اب ایک لفظ بھی نہیں بولنا۔" اس کی زوردار دھاڑ سے جہاں وہ دہل گئی تھی وہیں سارا گھر بھی اکٹھا ہوگیا تھا۔

"کیا ہوا ہے، ایسے کیوں بول رہے ہو؟" منہاج شاہ نے سب سے پہلے سوال کیا تھا۔

"یہ لڑکی جس پہ آپ سب کو مان تھا۔" اس نے بازو سے کھینچتے ہوئے عینا شاہ کو شاہ بی بی کے روبرو کیا تھا۔

"اس کو ساری عمر ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا اور اسی نے آپ کی عزت کی دھجیاں اڑا دیں، دن دہاڑے ہم سب

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے منہ پر کالک مل دی۔'' غصے کی شدت سے اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا اور عینا شاہ کا حال تو یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کی عملی تفسیر بنی ہوئی تھی۔

''تم اپنے ہوش و حواس میں تو ہو..... یہ کیسی گھٹیا اور واہیات زبان استعمال کررہے ہو..... تم شاید بھول رہے ہو کہ یہ تمہاری بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ اس گھر کی بیٹی بھی ہے۔'' اس کی بات کو شاہ بی بی نے نہایت غصے سے رد کیا تھا۔

''بس شاہ بی بی..... اب کوئی بھی اس بدکردار لڑکی کی حمایت نہیں کرے گا، میری محبت کا اس نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے مگر یہ اس کی بھول ہے کہ میں اس کو معاف کروں گا اور تم واہیات انسان، اپنی گندی ذہنیت دکھانے سے باز نہیں آئے ناں۔'' وہ ایک ہی جست میں زاویار تک پہنچا اور اس پہ برس پڑا تھا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو، ایسا کچھ بھی نہیں ہے، یہ تمہارا الزام ہے۔''

''بس کرو قسام شاہ تمہارے پاس اس سب کا کیا ثبوت ہے۔'' مہناج شاہ نے بات سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

''میں نے خود اس ذلیل کی کال سنی تھی، اس نے رات آنے کا کہا تھا اور بڑے پُریقین انداز میں محبت کے یقین دلائے جارہے تھے۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کھڑے کھڑے انہیں قتل کردے۔

''بیٹا..... آپ بھی تو کچھ بولیں، یہ کیا ماجرا ہے؟'' انہوں نے ایک بار پھر خاموش کھڑی عینا شاہ کی طرف رخ کیا تھا۔

''یہ صرف میرے دوست ہیں، ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے، یہ سراسر مجھ پر الزام ہے، میں صرف ان سے ہی محبت.....''

''نام مت لینا محبت کا۔'' اس نے صرف اس کی بات نہیں کاٹی تھی بلکہ ایک زوردار تھپڑ بھی اس کے منہ پر مارا دیا تھا۔ پورے کمرے میں سکوت طاری ہوگیا تھا۔ وقت کی رفتار تھم گئی تھی۔

آنسو پونچھنے والے ہاتھ آج آنسو دینے کا سبب بن گئے تھے، اس کے گال پہ پڑے انگلیوں کے نشان اس کی جلد کو سلگا گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی، وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ جس نے محبت کو گالی بنادیا تھا۔

''نکل جاؤ میرے گھر سے، ابھی اور اسی وقت..... میں تمہارا مکروہ چہرہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا.....'' اس نے صرف کہنے پہ ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف لے جارہا تھا اور وہ کسی بے جان شے کی طرح اس کے ساتھ گھسیٹی جارہی تھی۔ اس کے جھٹکا دینے پر وہ دروازے کے پاس آ گری تھی اور سر وہاں رکھے گملے سے ٹکرایا گیا تھا۔ خون اس کے سر سے بہنا شروع ہوگیا تھا۔

''میں ابھی اور اسی وقت تمہیں اس گھر سے بے دخل کرتا ہوں اور تم سے سارے رشتے ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلا.....''

''نہیں.....'' اس کے الفاظ منہ میں ہی تھے کہ وہ چیختی ہوئی اٹھی اور قسام شاہ کے پیروں میں سر رکھ دیا تھا۔

''میں ابھی اور اسی وقت چلی جاتی ہوں کبھی مڑ کر بھی نہیں آؤں گی مگر مجھے اس بندھن سے آزاد مت کریں، میں پاؤں پڑتی ہوں آپ کے۔'' اس کی چیخوں سے سید محل گونج اٹھا تھا۔ قسام شاہ نے ایک جھٹکے سے اپنے پاؤں چھڑائے تھے۔

''میں تم سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتا، اس لیے میں تمہیں.....''

''قسام..... اس سے آگے تم ایک لفظ بھی بولے تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو گے۔ شاہ خاندان میں نہ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا، تم اسے اس گھر سے نکال رہے ہو تو نکال دو مگر دوبارہ زبان سے ایسی بات نہیں نکالنا۔'' اس نے بے بسی سے شاہ بی بی کو دیکھا اور ہونٹ بھینچ کر رہ گیا تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھی، زمین پر پڑی چادر اٹھائی اور گھر سے باہر نکل گئی۔ اس کے نکلنے کے ساتھ ہی محبت زندہ لاش بن گئی تھی۔ عینا شاہ مرگئی تھی۔ ایک اور کہانی انجام کو پہنچ گئی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تھی۔ داستان گو بھی ہجر کا غم سناتے ہوئے رو پڑا تھا اور سننے والے بھی وقت جدائی کی اذیت اپنے اندر اترتی محسوس کررہے تھے۔

❁.....❁.....❁

سامعہ لاشاری سکوت کی گہرائی میں غوطہ زن تھی، دکھ اس کے اندر دور بہت دور تک سرائیت کر گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان اداس آنکھوں پہ اداسی محبت نے عنایت کی تھی۔ ان یاقوتی لبوں کو قوت گویائی سے محبوب نے محروم کیا تھا۔ عینا شاہ کے وجود کی بکھری ہوئی عمارت ایک ایسے انسان کی مرہون منت تھی جسے مسند دل پہ بیٹھایا گیا تھا۔

''وہ انسان تمہیں دھکے دے کر اپنے گھر سے رات کے اندھیرے میں نکال دیتا ہے، تمہاری بات سنے بنا تمہیں بدکردار ثابت کردیا اور تم اس کے پاؤں پکڑ کر اپنے رشتے کی بھیک مانگ رہی تھیں۔''

''محبت یقین مانگتی ہے، اس کی عمارت اعتماد کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے، اسے مجھ پر اور میری محبت پر یقین نہیں تھا مگر مجھے تو یقین تھا اور میں اسی یقین کو حقیقت کا رنگ دینا چاہتی تھی۔'' اس کے لہجے میں برسوں کی تھکاوٹ در آئی تھی۔

''تو تمہارا برسوں کا انتظار خاک ہوا، وہ تو کسی اور کے سنگ اپنی زندگی کی بہاریں گزارنا چاہتا ہے، وہ اپنی زندگی کو ایک نیا موڑ دے رہا ہے تو پھر تم کب تک اسی موڑ پر محو انتظار رہو گی۔''

''میں اس کی زندگی میں نہیں ہوں، ایک آس تھی آج وہ بھی بہت سے ٹکڑوں میں ٹوٹ گئی، دل کے اندر سب کچھ چھناکا سے ٹوٹ گیا ہے۔ اب میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ میں اب اس کے کسی راستے پہ کھڑی نہیں ہوں گی۔'' وہ رات سے انگاروں پہ لوٹ رہی تھی، اس کی خوش فہمی کا بت پاش پاش ہوگیا تھا۔ یہ کہاں کا دستور ہے کہ اگر آپ کسی کے انتظار میں عمر بتادیں تو اگلا بھی اس میں آپ کا ساتھ دے۔ اسے راستے سے مڑنا تھا پہلے بھی اور آج بھی مگر یہ حقیقت جان لیوا تھی۔ اس کے گمان کی کسی سرحد میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ ثمین احسان کے ساتھ اپنی زندگی کا آغاز کرسکتا ہے۔

''اب اس حقیقت سے آگاہی کے بعد تو اس سے تعلق توڑ لو اور ہاتھ سے یہ رنگ اتار دو جو تمہیں اس سے منسلک رکھتی ہے۔''

''ہر کوئی راستہ کھوٹا کرنے والا نہیں ہوتا، محبت آس ہوتی ہے، میری آس ٹوٹ گئی ہے مگر محبت اب بھی سربلند ہے۔'' سامعہ لاشاری اپنے سامنے محبت کا ماہر شکار دیکھ رہی تھی، محبت کے ناگ نے ڈس کر اسے نیلوں نیل کردیا تھا، تڑپ تڑپ کر جان لبوں پر آگئی تھی مگر اس کی ہر سانس اب بھی محبت کا ہی راگ الاپ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

اس کی زندگی میں اب سکون سرائیت کرنے لگا تھا، آہستہ آہستہ وہ بھی معمول کی زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ گھر بھی اسے آگ کا گولہ نہیں لگتا تھا، اب وہ اکثر پاکستان اپنی ماں سے بات بھی کرلیتا تھا مگر اقبال جرم کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔ وہ اس اللہ کے سامنے تو اقرار کرچکا تھا اور وہ تو رب الرحیم ہے ندامت سے گرے ہر اشک کو سرخرو کردیتا ہے مگر دنیا کے سامنے اقرار کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہورہی تھی مگر وہ یہ جانتا تھا اس کا ضمیر تب تک مطمئن نہیں ہوسکتا تھا جب تک وہ بذات خود اقرار نہ کرے۔ اس کی زندگی کے اوقات بھی معمول اور توازن سے ہم آہنگ ہورہے تھے، اب اگر وہ وکٹوریہ اسٹریٹ پر نکلتا تھا تو واپسی کا راستہ نہیں بھولتا تھا، اب خبطی بوڑھے کی انگلیاں بھی اس کے حساب نہیں لگاتی تھیں، اس بوڑھے سے بھی اسے خاص انسیت ہوچکی تھی، اس کی آنکھیں نیند کا مزہ بھی چکھنے لگی تھیں مگر ایک تھپڑ کی گونج اسے سوتے میں جگادیتی تھی، اسے تین سال پہلے والی کہانی یاد آجاتی تھی، اسے احساس دلایا جاتا تھا کہ وہ کس کا مجرم ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا اخلاقی جرم ہوا تھا اس سے، کسی معصوم کا دل توڑا تھا، آنکھیں اشک بار تھیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سہ پہر کے وقت اس کا معمول تھا کہ وہ اسلامک کلچرل سینٹر جاتا، سنہری گنبد کے نیچے بیٹھ کر امام صاحب کا پُر اثر بیان سنتا اور دل سے دنیا کی گندگی اور نفس کی شیطانیت دور کرنے کی کوشش کرتا۔ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے، انسان ایک مرتبہ نفس کی پیروی کرلے تو وہ اسے مرتے دم تک اپنے پیچھے دوڑاتا ہے، اگر ایک قدم نفس پر رکھ دے تو دوسرا قدم سرفرازی کی طرف اٹھتا ہے۔ شیطان کو موردِ الزام ٹھہرانے والے شیطانیت کو ساتھ لیے پھرتے ہیں، انسان کے اندر رحمٰن بھی ہے شیطان بھی، دنیا بھی ہے آخرت بھی، یہ اس خاکی پتلے پر منحصر ہے کہ وہ خاک ہونے سے پہلے روح کو بیمار کرتا ہے یا اس کا علاج کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھا جب "امام" نے معمول کا وعظ شروع کیا۔ موضوع سن کر ہی اسے جھٹکا لگا اور وہ حیران رہ گیا تھا۔ وہ اسی سوچ میں مگن تھا کہ اس کے دل کی حالت، اس کے نفس کی جنگ سے امام صاحب کیسے آگاہ ہوجاتے ہیں۔ اکثر اس کے ساتھ ایسے ہوتا وہ کسی کشمکش میں ہوتا تو اس کا حل اسی سنہرے گنبد کے نیچے بیٹھنے سے مل جاتا تھا۔ جیسے ابھی وہ اپنی ہی کشمکش میں تھا تو اسی بات کا جواب اسے دیا جارہا تھا۔ قرآن اور حدیث میں بتایا گیا تھا کہ اللہ کے حقوق سے مقدم اس کے بندے کے حقوق ہیں۔

اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا کہ جب قیامت کے دن زیرِ عرش منادی ندا دے گا کہ بندوں کے حقوق پورے کرنے والے بخش دیے گئے تو تب وہ ٹھکرا دیا جائے گا، وہ تو اس خوش فہمی میں مگن تھا کہ اس کے آنسو قبول ہوگئے، ندامت اسے کامیابی دلوا گئی مگر اسے آج اس کی اوقات دکھا دی گئی تھی۔ اسے معافی مانگنی تھی۔ اس لڑکی کے سامنے گڑگڑا کر، رو رو کر اور پاؤں میں گر کر..... یہ بات قبول کرنی تھی بجائے اس کے کہ اس کی پیٹھ پر جلتے ہوئے کوڑے برسائے جائیں۔

بیان ختم ہوچکا تھا، لوگ آہستہ آہستہ نکل رہے تھے۔ صرف چند لوگ تھے اور ان میں ایک وہ بھی تھا گہری سوچوں میں گم، خود احتسابی کے کڑے مرحلے سے گزرتا ہوا، جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی ذلت کے گڑھے میں گر رہا تھا۔ ملامت کرنے والا ضمیر جیت گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا اسے واپس جانا ہے اور ایک بے قصور لڑکی کو اس کی محبت لوٹانی ہے، اپنے گناہوں کا سدباب کرنا ہے۔

❁.....❁.....❁

سید محل کی خاموشیوں میں ذرا سی آواز بھی ہلا گلا لگتی تھی، آج معمول سے ذرا ہٹ کر تینوں نفوس رات کے کھانے کے لیے اکٹھے تھے اور یہ حیران کن بات تھی کیونکہ اکثر قسام شاہ غیر حاضر ہوتا تھا اور وہ دونوں ایسے خاموشی سے کھانا کھاتے جیسے کسی فرض کی تکمیل کررہے ہوں۔

"مجھے آپ لوگوں سے ایک بات کرنا تھی۔" بہت جلد اس کی موجودگی کا عقدہ بھی کھل گیا تھا۔ دونوں نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"اس رات میں اسے طلا.....ق دینے سے رک گیا تھا۔" ایک وقفہ لیتے ہوئے اس نے لہجے کی لرزش پہ قابو پایا۔ "اتنے سال ہوچکے ہیں اس واقعہ کو مگر وہ کبھی واپس نہیں آئی، اس کا واضح مطلب یہ ہی ہے کہ وہ بھی اس رشتے کو قائم نہیں رکھنا چاہتی..... میں اپنی زندگی کو آگے بڑھا رہا ہوں، فہمین احسان کو بہت جلد پرپوز کردوں گا، آپ لوگ اس کے لیے بھی فیصلہ کرلیں اور جو آپ کی رائے ہو مجھے اس سے آگاہ کردیں۔" شاہ بی بی نے بے یقین نظروں سے سامنے بیٹھے پوتے کو دیکھا جس کی محبت کی وہ خود گواہ تھیں وہ کیسے آسانی سے راستہ بدل رہا تھا، منزلوں تک نہ پہنچنے سے راستے پہ پڑنے والے آپ کے نشان مٹ نہیں جاتے۔ وہ اداس دل سے اٹھیں اور ٹیلی فون کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے لرزتی انگلیوں سے اس کے ہاسٹل کا نمبر ڈائل کیا، اس سے پہلے وہ اسے ہمیشہ حوصلہ دیتی تھیں مگر آج اس کو اسی کی بربادی کی خبر سنا رہی تھیں۔ فون کیا مگر آگے سے ملنے والی خبر نے انہیں حواس باختہ کردیا تھا۔

"کیا ہوا شاہ بی بی..... آپ کی رنگت اتنی زرد کیوں ہورہی ہے۔" منہاج شاہ ان کے پاس آئے۔

"میں نے اس کے ہاسٹل فون کیا تھا مگر اس کا ٹرانسفر

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

لاہور ہوگیا ہے، اپنے شہر میں ہوتے ہوئے بھی وہ اپنوں سے دور رہے گی اور جب یہاں یہ سب دیکھے گی تو کیسے برداشت کرے گی، میں جانتی ہوں میری بیٹی بے قصور ہے، اتنے سالوں سے وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی سزا کاٹ رہی ہے مگر میں اب اس کی اور بربادی نہیں دیکھ سکتی۔'' شاہ بی بی کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوگیا تھا، آواز شدت غم سے لرز رہی تھی، منہاج شاہ جوان اولاد کے سامنے بے بس نظر آرہے تھے۔

❁.....❁.....❁

وہ بہت پریشان اور ذہنی الجھن کے ساتھ سی ایم ایچ لاہور میں آئی تھی، اس کے اپنے تحفظات تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ اسے پھر سے محنت کرکے اپنا مقام حاصل کرنا ہوگا، ایبٹ آباد سے لاہور تک اس کے ذہن میں جھکڑ چلتے رہے تھے۔ چھ سال کا عرصہ اس نے حسین ترین شہر میں گزارا تھا۔ وہاں اس نے اپنی پہچان بنائی تھی۔ اتنے پیارے شہر اور شہر میں رہنے والے اچھے لوگوں سے بچھڑنے کا دکھ بھی اسے سوگوار کیے ہوئے تھا۔ لاہور میں داخل ہونے کے بعد اس کے ذہن میں کئی سوچیں وارد ہوئی تھیں، اس کا حسین بچپن، تایا جان، شاہ بی بی اور سید محل کی یادیں پورے زور سے حملہ آور ہوئی تھیں، سب سے بڑھ کر اس دشمن جان کی یاد نے دھڑکن کو بند کردیا تھا۔ آنکھوں کے کنارے بے سبب گیلے ہوئے تھے۔ وہ کالی رات پوری جزائیات کے ساتھ مجسم بن کر آن کھڑی ہوئی تھی۔ کتنا مشکل تھا سید محل کے پاس رہنا اور اس کی دہلیز کو پار تک نہ کرنا، کتنا جان لیوا تھا اس کے شہر میں رہتے ہوئے اسے ایک نظر نہ دیکھنا اور کتنا عجیب تھا اپنے شاندار گھر اور پُرسکون کمرے کے ہوتے ہوئے ہاسٹل میں رہنا، اس نے اپنے نئے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سوچا تھا۔

سب سے پہلے اس نے سامعہ لاشاری کو اپنے پہنچنے کی اطلاع کی اور پھر نہا کر لمبی تان کر سوگئی تھی کیونکہ اسے بنا کوئی سستی دکھائے رات کو ڈیوٹی پہ حاضر ہونا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس کے قدموں نے زمین کو چھوا تھا۔ سرسراتی ہوا نے اس کا استقبال کیا اور مانوس سی ٹھنڈک نے اس کے جسم کو چھوا۔ اس نے اردگرد دیکھا اور ایک لمبی سانس فضا کے سپرد کی۔ اس کا چہرہ مختلف جذبات کی عکاسی کررہا تھا۔ کبھی ماں سے ملنے کی خوشی چہرے پہ چھلکتی تھی اور کبھی ندامت اپنے پنجے اس کے دل میں گاڑھ دیتی تھی۔ ایئرپورٹ سے باہر نکلنے پہ ملن کے منظر اس کے سامنے تھے، کہیں خوشی کے آنسو تھے اور کہیں بچھڑنے کا غم آنکھوں سے بہہ رہا تھا، اس نے ہر منظر سے نگاہ پھیر لی اور قدموں کو لوگوں کے جم غفیر کی طرف موڑ دیا تھا۔

راستہ شناسا اور کبھی انجان سا لگتا، اس کا دماغ ایک مصروف شاہراہ بن گیا تھا جہاں تسلسل سے سوچوں کی ٹریفک رواں تھی۔ زیدی ہاؤس میں اس کی واپسی کا کیا ردعمل ہونا تھا.....؟ یہ سوچ اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔ اس کی واپسی کو اگر اس کے گھر والے خوش آئند کہہ بھی دیں مگر سید محل کسی طور بھی اسے قبول نہیں کرے گا، اگر اس کی آمد کا کسی کو معلوم ہوگیا تو شاید زیدی ہاؤس میں بھی اس کی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ تین سال کی جدائی کے بعد وہ اپنے گھر میں قدم رکھ رہا تھا۔

سب کے ردعمل کا سوچتے ہوئے اس کے ذہن میں فہمین احسان نامی خطرے کا الارم سب سے زیادہ بجتا نظر آرہا تھا۔ جو ہر حد سے گزر گئی تھی اور اس کے لیے وہ ہر حد سے گزر گئی تھی اور اس کے لیے اس نے سر دھڑ کی بازی لگادی تھی، اس کی آمد اگر اس کے مقصد میں رکاوٹ بنی تو وہ زاویار احسان کو بھی بخشنے والی نہیں تھی۔ وہ فہمین احسان سے اس حد تک آگاہ تھا کہ اس کے ردعمل کو سمجھ سکے۔ وہ ایک جان لیوا وائرس تھی جو اپنے مقاصد کے لیے کسی کی جان بھی لے سکتی تھی۔ اس کی یادداشت میں آج بھی وہ رات پیوستہ تھی جس رات اس کا دل ماتم زدہ ہوا تھا۔

عینا شاہ کو اگر اس کی پہلی نظر کی محبت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا روتی بسورتی، ڈری، سہمی ہوئی لڑکی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ اس کا دل قربت کو ترسنے لگا تھا۔ آنکھیں دیدار کو

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فرش راہ رہتی تھیں، سانسیں اس کی خوشبو کو محسوس کرنا چاہتی تھیں۔ سید محل میں جانا اس کی اولین خواہش ہوتی تھی۔ ابھی محبت کا اقرار نہ ہوا تھا، عہد و پیمان نہیں بندھے تھے کہ نقارہ جدائی بج اٹھا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر کا رخ کرنے کو کہا گیا تو پہلی دفعہ اسے اپنا اکلوتا ہونا برا لگا تھا۔ محبت کی شمع دل میں ایسی جلی کہ کوئے یار سے دوری بھی اسے بجھا نہ سکی، حسینوں کا جمگھٹا بھی دو جھکی نظروں کے سامنے ہیچ تھا۔ چند پل قربت کے اس کی پانچ سالہ دوری کو کاٹنے میں مددگار ثابت ہوئے تھے۔ انتظار کے دیپ جلتے رہے اور وصل کی امید میں وہ مثل پروانہ جلتا رہا مگر اس کی محبت، چاہت، انتظار سب خاک ہوگیا۔ ''زیدی ہاؤس'' میں قدم رکھتے ہی اس کی ذات کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

انسانی فطرت ہے کہ وہ ورغلایا جاتا ہے اور شیطان ایڑھی چوٹی کا زور لگاتا ہے انسان کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے، شیطان کا سب سے محبوب کام میاں، بیوی میں لڑائی کروانا ہے اور اب وہ یہ ہی سوچ کر ندامت کے گڑھے میں غرق ہو رہا تھا کہ وہ شیطانیت کے کام آیا..... اس نے محبت کو خریدنا چاہا تھا مگر وہ اس بات سے انجان تھا کہ دنیا کے کسی بھی بازار میں محبت کی بولی نہیں لگائی جاتی۔

عینا شاہ اور قسام شاہ کے نکاح کی خبر بھی اس کے لیے صورِ اسرافیل تھی جس نے اس کے کانوں کو سماعت سے محروم کردیا تھا۔ وہ کئی پل ساکت نظروں سے فہمین احسان کو دیکھتا رہا تھا، جیسے اسے امید تھی کہ یہ مذاق ہوگا۔ فہمین احسان کی سوجی آنکھیں اور ٹوٹا ہوا لہجہ اس انکشاف کی سچائی کو واضح کر رہا تھا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھ گیا تھا مگر فہمین احسان کی آنکھوں میں ناگن جیسا زہر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے تین سال صرف اسی شرمندگی کے احساس میں گزر گئے کہ اس نے کیسے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی محبت برباد کردی تھی۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھا کہ جب نظروں نے اپنائیت محسوس کی تھی، اس نے چونک کر ارد گرد دیکھا، ٹیکسی اس کے علاقے میں داخل ہوگئی تھی۔ ماں سے ملنے کا خیال دل کو تقویت دے رہا تھا۔ سکون کی لہریں اس کے تن بدن کو بھگو رہی تھیں۔ دل گھڑیال کی مانند اک اک منٹ گن رہا تھا۔ ٹیکسی زیدی ہاؤس کے دروازے پر رکی اور وہ کرایہ ادا کرتا بے صبری سے اندر بڑھا گیا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا، صرف اس کی ذات تھی جو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تھی۔

زیدی ہاؤس میں داخل ہوتے ہی اس کی ساری خوشی کافور ہوگئی تھی۔ قدموں میں سالوں کی تھکاوٹ در آئی تھی۔ اس کا سارا دکھ ماں کی گود میں آنسوؤں کے ذریعے نکل رہا تھا۔ مسز احسان زیدی کسی چھوٹے بچے کی طرح اسے سمیٹے ہوئے تھیں، اس کے ایک ایک نقش کو آنکھوں میں نقش کر رہی تھیں۔

''تمہاری ایک چپ نے اس کی زندگی تباہ کردی زاویار..... وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی سولی چڑھا دی گئی' میں تمہیں کبھی معاف نہ کرتی اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ یہ سب تمہارے باپ کی لاڈلی کے کارنامے ہیں مگر اب چپ کے در کھول دو زاویار، تمہارا سکون اسی ایک معافی میں چھپا ہے۔'' اس کی ماں آج بھی اس کے دل کے اندر جھانک کر دیکھ رہی تھیں۔ آج وہ حیران نہیں تھا کیونکہ اب اسے احساس ہوگیا تھا ماں اس دنیا میں سب سے زیادہ مخلص رشتہ ہوتا ہے۔

''مجھے معاف کردیں ماما، میں نے ایسا نہیں چاہا تھا..... میں سمجھ ہی نہیں سکا تھا کہ محبت ''میں اور تو'' سے بالاتر ہوتی ہے، میں ان سالوں میں بہت تڑپا ہوں۔ بہت اذیت ملی ہے مجھے..... مجھے معاف کردیں۔'' وہ ان کے ہاتھ تھامے ننھے بچے کی طرح رو رہا تھا۔

''کسی کو چاہنا اور اسے پالینا یہ قسمت کی بات ہوتی ہے اور قسمت والوں کو محبت ملتی ہے، وہ شخص دنیا کا بے وقوف انسان ہوتا ہے جو اس غلط فہمی کو دل میں جگہ دیتا ہے کہ محبت حاصل کی جاسکتی ہے۔ محبت حاصل وصول سے بالاتر ہوتی ہے، محبت ایک دعا ہے جس کی قبولیت وصل سے وابستہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نہیں ہوتی، کبھی ہجر کی کالی رتوں میں بھی محبت خوب صورت رنگوں کی صورت سامنے ہوتی ہے اور کبھی وصل کی صورت اپنا رنگ وروپ کھونے لگتی ہے۔'' وہ اتنے سال یہ ہی سمجھتا رہا تھا کہ قسام شاہ اس بارے میں وسیع القلب ہوگا مگر عینا شاہ کی گھر سے بے دخلی اور فہمین احسان کا سید محل کے افراد سے ایک نیا رشتہ اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل گیا تھا۔ اس کا اقرار اس کی محبت کو رسوا کر گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

فائیو اسٹار ہوٹل میں عام چہل پہل تھی، مختلف رنگ کی دنیا اور مختلف لوگ نظر آرہے تھے۔ ایک نظر دیکھنے سے احساس ہوجاتا تھا کہ یہاں کس طرح کی محفل جمی تھی۔ اسی ماحول میں گلاس وال کے نزدیک ٹیبل پہ قسام شاہ اور فہمین احسان بیٹھے تھے۔ فہمین احسان اپنی آنکھوں سے اسے سحر زدہ کرنے کی کوشش کررہی تھی جب کہ وہ ایسے بیٹھا تھا جیسے مجبوری کا سودا کرنے آیا ہو۔ فہمین احسان دنیا جہاں کی باتوں میں مصروف تھی جب کہ وہ گلاس وال سے ہوٹل کی انٹرس دیکھنے میں محو تھا۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، قدم سے قدم ملائے اور چہروں پہ محبت کی چمک سجائے کئی لوگ آجا رہے تھے۔ اسے فہمین احسان کی مصنوعی گفتگو سے کوئی غرض نہیں تھی۔

''تم میری بات کا کوئی جواب نہیں دے رہے؟'' وہ اپنے خیالوں میں مگن تھا کہ اس نے میز پہ زور سے ہاتھ مار کر اسے متوجہ کرنا چاہا۔ اس نے چونک کر دیکھا اور آنکھوں میں سوال کے رنگ لہرائے۔

''میں کہہ رہی تھی ہم اپنی شادی کی شاپنگ دبئی سے کریں گے اور تم شادی کا گفٹ میری پسند کا دو گے۔'' اس کی فرمائش سن کر اثبات میں سر ہلایا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ ہم ہنی مون پہ وینس یا ترکی جائیں..... کیا خیال ہے تمہارا؟'' قسام شاہ کی آنکھوں کا رنگ بدلا تھا، غصہ پرت در پرت آنکھوں میں لالی کی صورت اتر رہا تھا۔ اسے وہ جھکی آنکھیں اور سفید چادر شدت سے یاد آئی تھی۔ اسے آج سمجھ میں آیا تھا کہ حیاء کتنی بڑی دولت ہوتی ہے اور جب حیاء نہیں رہتی تو کچھ نہیں رہتا اور سامنے بیٹھی لڑکی اس قول کی عملی تصویر تھی مگر وہ خود اپنی مرضی سے اس آنکھوں دیکھی مکھی کو نگلنے کے لیے تیار تھا۔ یہ فیصلہ محبت کا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اور جذباتی وابستگی تھی، یہ اس کی خود ساختہ سزا تھی..... اگر سفید چادر اور پُر حیاء آنکھوں والی لڑکی اس کا مقدر نہیں تھی تو پھر کوئی بھی ہوسکتی ہے۔

''ہاں، ایک اور بات بتانی تھی تمہیں، پاپا چاہتے ہیں کہ بزنس کے آدھے شیئرز تم میرے نام کردو۔''

''ایک بات یاد رکھنا فہمین احسان انسان جب تک اوقات میں رہتا ہے تب تک زمین پر کھڑا رہتا ہے..... اتنی دیر اسے اوقات بھولنے میں نہیں لگتی جتنی جلدی لوگ اسے اس کی اوقات یاد کروادیتے ہیں۔ اس لیے مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا سوچوں۔'' قسام شاہ نے پل میں اپنا رنگ بدلا تھا۔

فہمین احسان آتے ہوئے جتنے جوش میں تھی جاتے ہوئے اس کے اوسان خطا ہوگئے تھے، وہ سمجھتی تھی کہ وہ اس اپالو کے مجسمے کو اپنے حسن کی اداؤں سے پگھلا لے گی مگر وہ اس بات سے انجان تھی کہ محبت کا جہاں بہت وسیع ہوتا ہے جو اس دنیا میں داخل ہوجاتا ہے وہ دنیا اسے اپنا قیدی بنالیتی ہے اور قسام شاہ محبت کی دنیا کا پہلے ہی باسی بن چکا تھا۔

''اوہ..... میں گاڑی کی چابی اندر ہی بھول آیا ہوں، تم بیٹھو میں آتا ہوں۔'' وہ دوبارہ سے ہوٹل میں داخل ہوا تھا۔ اپنی میز سے چابی اٹھائی اور واپسی کے لیے مڑ گیا مگر سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے رکنا پڑا تھا۔ کوئی گروپ اوپر کی طرف آرہا تھا، سفید کوٹ پہنے، ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے پانچ لوگوں کا گروپ تھا۔ اس نے سرسری سی نظر ڈالی اور پھر نظر ساکت رہ گئی تھی۔ اس ہنستے مسکراتے گروپ میں سفید بڑی سی چادر میں ملبوس صبیح چہرے والی لڑکی وہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر وقت کی رفتار بھول گیا تھا اور ''عینا شاہ'' ایک بے نیازی سے ہوا کے جھونکے کی طرح اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت رہ گیا تھا۔ اس نے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ایک امید سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ شاید اس کے قدموں نے بھی ہلنے سے انکار کیا ہو مگر وہاں بے خبری کا وہی عالم تھا۔ قسام شاہ روند کر گزرنے والا تھا مگر آج اسے وہ روند کے گزر گئی تھی، محبت اسے سر عام رسوا کر گئی تھی۔ اس نے آہستگی سے قدموں کو موڑا اور ہوٹل سے نکلتا چلا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

دھویں کے مرغولوں نے سانس لینا دشوار کر دیا تھا، ملگجے سے اندھیرے میں اس کی ذات بھی اندھیرے کا حصہ لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخی سمیٹے ہوئے تھیں اور چہرے پہ زمانے بھر کی تھکن پھیلی ہوئی تھی۔ ایش ٹرے سگریٹ کی راکھ سے بھر چکی تھی، اسے اپنا آپ بھی اس راکھ سا لگ رہا تھا، فرق بس اتنا تھا کہ سگریٹ کو راکھ اس نے بنایا تھا اور اسے راکھ بنانے کی ذمہ دار عینا شاہ تھی۔ وہ اسی کے شہر میں تھی اور ایسی حالت میں سامنے آئی تھی جب وہ فہمین احسان کے ساتھ ایک نئے سفر پر نکل رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایسی حالت میں کسی کے روبرو نہیں آنا چاہتا تھا مگر دستک پھر ہوئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اجازت دے دی تھی۔ چند پل وہ کسی آواز کا منتظر رہا مگر کوئی آواز نہیں آئی تو آنکھیں کھولتا وہ سیدھا ہوا اس نے دیکھنے کی کوشش کی کہ اس کے سامنے کون کھڑا ہے مگر اندھیرے اور دھویں کے باعث اسے ناکامی ہوئی تھی۔

"کون ہے.....؟" اس کی آواز کے ساتھ کسی نے لائٹ جلا کر کمرے کو روشن کر دیا تھا۔ اس کے اردگرد دھما کے ہونے لگے تھے۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی، یہاں آنے سے پہلے تم اپنا انجام بھول کر آئے ہو۔" اس نے جھٹکے سے کرسی دھکیلی اور اس کو کالر سے پکڑ لیا تھا۔

"میری زندگی تباہ کر کے، مجھ سے سب کچھ چھین کر یہاں کیسے آئے ہو، اب کون سی تباہی باقی رہ گئی ہے؟" اس کو جھٹکے دیتا ہوا وہ غصہ سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہاری زندگی کب برباد ہوئی ہے قسام شاہ..... تم تو اپنی خوشی کے شادیانے بجا رہے ہو، فہمین احسان کو زندگی میں شامل کر چکے ہو، پھر یہ کیسی بربادی ہے۔" زاویار احسان کی آنکھوں میں تاسف کے رنگ ابھرے۔

"زندگی برباد اس کی ہوئی ہے جو ایک بہتان کو تین سال سے بھگت رہی ہے، جس کو بنا کسی گناہ کے سنگسار کر دیا گیا، اس کی وفاداری کو اس کا جرم بنا دیا گیا۔"

"اس سب کے قصور وار تم ہو..... اس کی زندگی تباہ کرنے والے بھی تم ہو..... یہ جانتے ہوئے کہ وہ میری منکوحہ ہے تم نے بھس میں چنگاری لگائی۔" اس کے منہ سے کف اڑ رہا تھا۔

"اگر ایسی ہی بات ہے قسام شاہ تو مجرم میں نہیں تم ہو..... اگر میں قصور وار ہوں تو بے گناہ تم بھی نہیں ہو۔ تمہاری منکوحہ بننے سے پہلے تم جان گئے تھے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں..... میری سوچوں میں اس کا عکس لہرانے لگا ہے، تم نے کیا، کیا تھا قسام شاہ، چال پہ چال چلی تھی تم نے..... گناہ گار تو تم بھی ہو۔" کمرے میں دھویں کے باعث اس کی سانس پھول رہی تھی۔ قسام شاہ نے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔ سچائی اس کے سامنے تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زاویار احسان اس کے اندر کے راز بھی جان چکا تھا۔

"میں نے اسے پانے کی کوشش کی تھی مگر تم نے تو اسے ورغلایا تھا۔ خیر مجھے تم سے گلہ نہیں کرنا چاہیے، بے وفائی کی مرتکب تو وہ ہوئی ہے۔" اس کے لہجے میں شکستی در آئی۔

"بے وفائی کا جرم تم نے کیا تھا، جرم محبت کرنے والے تم ہو..... وہ بے قصور تھی، تمہاری محبت کو کسی اسم اعظم کی طرح پڑھتی رہتی تھی، تم نے اس کی پاکیزگی کو بنا پرکھے مورد الزام ٹھہرایا..... اگر وہ قصور وار ہوتی تو آج تمہاری طرح اپنی زندگی شروع کر چکی ہوتی۔" زاویار احسان کسی قابل وکیل کی طرح اس کی وکالت کر رہا تھا۔

قسام شاہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ سب کچھ اس نے اپنے ہاتھوں سے کھویا تھا۔ وہ کتنی راتیں صرف ایک تھپڑ کی گونج سے سو نہیں سکا تھا۔ اپنے قدموں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سے اسے نفرت محسوس ہوئی تھی، جن کے پاس وہ روتی بلکتی گری تھی۔

"میں نے بہت سزا کاٹی ہے یار..... کئی راتیں میری زندگی میں شمار نہیں ہوئیں، کئی دن میرے ہوش کے دائرے میں نہیں آئے، مجھے معاف کردو..... ناچاہتے ہوئے بھی مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا، مجھے سکون تب ہی ملے گا جب وہ دوبارہ تمہاری زندگی میں آجائے گی۔" قسام شاہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بہن سے شادی کا فیصلہ کرچکا ہوں۔" اس کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ در آئی۔

"اس سب کی ذمہ دار بھی وہ ہی ہے، فہمین احسان وہ سانپ ہے جس نے تین زندگیوں کو ڈس لیا، یہ سب اسی نے کیا قسام شاہ..... اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اگر ہوسکے تو اس نئے رشتے کو قائم رکھو یا میری سزا میں کمی کرتے ہوئے مجھے آگاہ ہی کے جہنم سے نکال لو۔" قسام شاہ پہ حیرت کا پہاڑ آن گرا تھا۔ وہ اسے گناہ گار سمجھتے ہوئے خود کو سکون پہنچانے کی کوشش کررہا تھا مگر وہ کیسے جی رہی ہوگی اس بات کا اندازہ اسے اب ہوا۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بنے رہنا کیا ہوتا ہے یہ اسے آج محسوس ہورہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے مگر یہ آنسو کسی غم کی تصویر نہیں تھے بلکہ محبت کو پالینے کی خوشی کے تھے۔ دو جھکی آنکھوں پہ شک کرنا اس محبت کی توہین تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے زاویار احسان کو دیکھا اور زاویار احسان کو لگا تھا کہ معافی کا در کھل گیا ہے۔ اس کی دعائیں قبولیت کا شرف پاگئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

فہمین احسان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس کی خواہش پوری ہونے جارہی تھی۔ وہ جو چاہتی تھی اس نے منصوبے کے تحت حاصل کرلیا تھا۔ قسام شاہ اس کی پہلی محبت اور آرزو جسے وہ ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن وہ بچپن سے عینا شاہ سے منسوب تھا اور یہ بات فہمین احسان سے برداشت نہیں ہورہی تھی، اس نے لاکھ چاہا کہ جو توجہ وہ عینا شاہ کو دیتا ہے اسے بھی دے لیکن عینا شاہ کے سامنے آتے ہی وہ پس منظر میں چلی جاتی تھی اور یہ بات اسے کھولا کر رکھ دیتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کچھ ایسا ہوجائے جس سے عینا شاہ، قسام شاہ سے دور ہوجائے اور وہ چاہ کر بھی اسے دیکھ نہ سکے اور پھر قسمت نے فہمین احسان کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے اپنے شاطر دماغ سے منصوبہ بنا کر زاویار احسان کو اپنے ساتھ ملا کر ایسا کھیل کھیلا تھا جس سے دو دلوں میں دوری آ گئی تھی اور وہ اس دوری پہ خوش تھی کیونکہ اب قسام شاہ اس کا ہونے جارہا تھا۔ وہ گنگناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ دوسرے ہی لمحے چونکنے کے ساتھ خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی تھی۔

"واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز زاویار.....! کب آئے تم؟" وہ خوشی سے چہکتی ہوئی بیڈ پر اس کے برابر آ بیٹھی۔ وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

"کتنے عرصے بعد ہم مل رہے ہیں۔ غالباً تین سال بعد اور تمہیں پتا ہے ان تین سالوں میں کیا کچھ ہوگیا؟" اس کے لیے اپنی خوشی اس قدر اہم تھی کہ وہ اس کی خاموشی کی پروا ہی نہیں کررہی تھی اور زاویار احسان اپنی بہن کے بدلے ہوئے انداز دیکھ رہا تھا۔

"تم تو عینا شاہ کے جانے کے بعد ایسے گئے کہ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی کہ تمہارے پیچھے کیا کچھ ہوگیا، تین سال لگے مجھے قسام شاہ کے دل میں جگہ بنانے میں۔"

"تم غلط ہو..... اس کے دل میں آج بھی عینا شاہ ہی ہے۔" وہ فوراً بولا۔

"ناممکن مان ہی نہیں سکتی میں یہ بات....."

"کیوں.....؟" اس کے اطمینان پر زاویار احسان مسکرایا۔

"کیونکہ وہ مجھ سے شادی کررہا ہے۔"

"ہاہاہا....." اس کا قہقہہ کمرے میں بلند ہوا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں اسے ساری حقیقت بتا آیا فہمین احسان کہ ایک

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ذرا سی غلط فہمی پہ ہی یہ سب کچھ ہوا تھا۔"

"کیا.....! کیا بکواس کر رہے ہو؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے زاویار....." وہ غصہ سے چیخی' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ زاویار کا کیا سے کیا کر دے۔ "کہہ دو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔"

"یہ ہی سچ ہے اور تم بھی اس سچ کو جتنی جلدی ہو سکے تسلیم کر لو تو اچھا ہے..... سمجھ لو کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔"

"نہیں....." وہ سختی سے بولی اور ہذیانی کیفیت میں چلانے لگی۔ "قسام شاہ میرا ہے صرف میرا..... سنا تم نے، اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا اور اب دیکھنا میں عینا شاہ کے ساتھ کرتی کیا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے گھر سے نکل گئی۔ زاویار نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔ اس کی ضدی طبیعت سے وہ باخوبی واقف تھا اس لیے اسے روکا بھی نہیں تھا۔

وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہی تھی، اسے اپنے آس پاس کا بھی ہوش نہیں تھا، بس ذہن کے پردے پر وہ منظر تیزی سے ابھر رہے تھے، جب اس نے عینا شاہ سے اس کا نمبر لے کر زاویار احسان کو بہت خاموشی سے منتقل کیا تھا پھر اس کے بعد عینا شاہ کا سب کے پاس سے اٹھ کر جانا اور اس کا زاویار احسان کو میسج کرنا کہ وہ عینا شاہ کے نمبر پر کال کرے اور پھر قسام شاہ کا موبائل اٹھا کر عینا شاہ کی تلاش میں اندر جانا یہ سب اس کی خواہش کے مطابق ہو رہا تھا اور اس کے لیے کامیابی تھی جب عینا شاہ کو گھر سے نکالا گیا تھا لیکن ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جو انسان سوچتا ہے اور یہ ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ جنہیں قسمت نے ملا دیا تھا وہ انہیں الگ کرنے پہ بضد تھی پر اسے ہار ہو گئی تھی اور وہ یہ ہی تسلیم نہیں کر رہی تھی۔ اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھائی تھی اور یہیں اس سے غلطی ہوئی تھی۔ سامنے سے آتے ٹرک سے گاڑی کا بری طرح تصادم ہوا تھا۔ گاڑی ہوا میں قلابازی کھاتی دو جا گری تھی۔

❁.....❁.....❁

عینا شاہ نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وقت یوں بھی پلٹا کھائے گا اور کوئی اپنا اچانک اس کی سامنے آ جائے گا۔ وہ تمام یادوں سے پیچھا چھڑا کر مسیحائی کا کام انجام دے رہی تھی اور اسی کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھ بیٹھی تھی۔ اس نے تو شاہ ہاؤس سے بھی نظریں چرا لی تھیں۔ جب کہ وہاں تو اس کی محبت اور بچپن کی یادیں موجود تھیں۔ پھر یہ اچانک کیا ہوا تھا اور کیوں۔

وہ اس وقت تمام کاموں سے فارغ ہو کر اپنے روم میں آئی تھی کہ اچانک ایمرجنسی کال پر اسے بلایا گیا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک انسانی جان زندگی اور موت کے درمیان تھی اور اسے زندگی کی طرف لانا تھا۔ یہ سوچ کر اس نے آپریشن تھیٹر کا دروازہ وا کیا اور چند لمحوں میں اسے پہچان کر وہ اپنی جگہ جم گئی تھی۔

"فہمین احسان۔" اس کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی۔

"ایکسیڈنٹ بہت خطرناک ہوا ہے۔ ان کا بچنا کسی معجزے سے کم نہیں لیکن ہمیں انہیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی ہے۔" ساتھی ڈاکٹر نے کہا تو وہ فہمین احسان کی طرف بڑھی اور چند گھنٹوں کی کوشش کے بعد وہ اسے چند سانسیں ہی دے پائی تھی۔ یا یہ بھی قدرت کی طرف سے ملی تھی، بے شک وہ سب سے بڑا مسیحا ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔

ہوش میں آتے ہی فہمین احسان کی نظر عینا شاہ پر پڑی تھی۔ ندامت کے آنسو اس کے رخسار پر ڈھلک گئے تھے۔ زخموں اور تکلیف کی شدت سے وہ بولنے سے قاصر تھی۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی فہمین۔" عینا شاہ نے اسے ہوش میں آتا دیکھ کر فوراً کہا۔ جس کا جواب اس نے بہت آہستہ سے سر نفی میں ہلا کر دیا اور ساتھ ہی بولنے کی کوشش کی۔

"م.....م..... مجھے.....م.....م..... معاف کر دو۔"

بہت مشکل سے وہ بولی تو عینا شاہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میرے دل میں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے، فہمین لیکن تمہاری تسلی کے لیے میں نے تمہیں دل سے معاف

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کیا۔" اس کا اتنا کہنا تھا کہ فہمین احسان نے ہچکی لی اور ہمیشہ کے لیے پُرسکون ہوگئی تھی ہر درد سے آزاد وہ ایک نئے جہاں میں چلی گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

زیدی ہاؤس میں فہمین احسان کی اچانک موت پر کہرام مچا گیا تھا۔ سب بے یقین تھے کہ وہ اتنی اچانک سب کو یوں چھوڑ کر چلی جائے گی۔ شاہ بی بی اور قسام شاہ نے ہی سب کو سنبھالا ہوا تھا۔ زاویار سے ابھی تو وہ مل کر گئی تھی اس لیے وہ بے یقین تھا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔

"وہ ابھی میرے سامنے ہی تھی پھر ایک دم غصہ میں باہر نکل گئی، مجھے اسے روکنا چاہیے تھا ناں۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے قسام شاہ سے کہہ رہا تھا۔ "میں تنہا ہوگیا یار..... ایک ہی تو بہن تھی میری وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔" وہ قسام شاہ کے گلے لگ کر باقاعدہ رو رہا تھا۔

پھر کتنے ہی دن لگے تھے انہیں سنبھالنے میں۔ قسام شاہ نے ہر طرح سے سب کا خیال رکھا اور زاویار کو زندگی کی طرف لایا تھا۔ قسام نے زاویار کو معاف کردیا تھا۔ پر اب اسے خود معافی چاہیے تھی۔ عینا شاہ سے اور اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا تھا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ عینا شاہ کے بغیر شاہ ہاؤس کی اس سمیت ہر چیز ادھوری ہے اور وہ اب اسے واپس لاکر ہر چیز مکمل کرنا چاہتا تھا۔

سب کچھ تو عینا شاہ کے لیے بھی ختم ہوگیا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ قسام شاہ فہمین سے شادہ کرلے گا اور خوشیوں بھری زندگی میں قدم رکھ دے گا۔ وہ پہلے بھی اس کے لیے کہیں نہیں تھی اور اس کے بعد تو کہیں بھی نہیں رہتی پر ایسا کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا پھر کیوں اسے سب کچھ ختم ہوتا محسوس ہورہا تھا یا پھر وہ اپنوں سے دور رہتے رہتے تھکنے لگی تھی۔ بہت زیادہ رشتے تو نہیں تھے اس کے پاس، صرف ایک شاہ بی بی ہی تو تھیں یا پھر وہ جس نے اسے شک کی بنا پر ہر چیز سے بے دخل کردیا تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے بعد یونہی قریبی پارک میں آکر بیٹھ گئی اور خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ٹھہر گئی تھی۔ وہ وہی تھا جو اس کے دل میں ہمیشہ سے براجمان تھا۔

"عینا....." اس نے قریب آکر پکارا تو اس نے منہ پھیر لیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"عینا..... میری بات سنو۔"

"کسی اور سے شادی کرنے جارہے ہیں آپ، مبارک ہو۔"

"نہیں عینا وہ....."

"بس قسام شاہ۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں یہاں تماشا بننا نہیں چاہتی۔"

"اور میں بھی کوئی تماشا نہیں چاہتا۔ بہتر ہے کہ میری بات تحمل سے سنو، میں بہت شرمندہ ہوں اپنے کیے پر..... بہت سزا جھیل چکا ہوں۔"

"سزا تو میں کاٹ رہی ہوں قسام شاہ۔" وہ فوراً بولی۔ "اپنوں سے دور رہ کر، اپنے گھر سے بے گھر ہوکر، آپ نے کیا سزا کاٹی..... آپ تو..... تو نہیں کوئی اور سہی کے مصداق زندگی گزار رہے ہیں۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ میرے دل میں کل بھی تم تھیں اور آج بھی....."

"اور اس دل سے آپ نے مجھے غالباً اسی دن نکال دیا تھا جس دن گھر سے نکالا تھا جب ہی تو کبھی خبر ہی نہیں لی میری کہ میں زندہ ہوں یا مرگئی۔" اس کی آنکھوں میں نمی آکر ٹھہر گئی تھی۔ آج وہ اس سے ڈر نہیں رہی تھی بلکہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ قسام شاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا اس لیے وہ اس کے سامنے تھکے ہوئے مسافر کی مانند کھڑا تھا۔

"میں مانتا ہوں اپنی ساری غلطیاں کہ اپنی جھوٹی انا کے ہاتھوں مجبور ہوکر میں یہ سب کرتا رہا ہوں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ اس میں نقصان صرف ہم دونوں کا ہوا ہے اور کسی کا کچھ نہیں گیا۔" وہ کہہ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ "مجھے معاف کردو اور عینا گھر چلو۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں، میرے جذبات نہیں ہیں، میں احساسات نہیں رکھتی یا میں کوئی ربورٹ ہوں جس کے اندر

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

دل نہیں ہے، آپ جو چاہیں میں وہ کروں، کیا میری کوئی مرضی نہیں؟ آپ جب کہیں میں گھر سے نکل جاؤں اور جب کہیں میں گھر لوٹ آؤں۔ میری محبت کو روند دیا آپ نے، خود ہی ساتھ دیا اور خود ہی تنہائی کے پنجرے میں قید کردیا۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، کبھی بھی نہیں۔" وہ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑ کر صاف کرتی جانے لگی تھی کہ وہ قدم بڑھا کر اس کا راستہ روک گیا۔

"میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، کان بھی پکڑتا ہوں۔ مجھے معاف کردو عینا پلیز۔" وہ عاجزی سے بولا۔

"صرف ایک بار مجھے معاف کر کے میری زندگی میں لوٹ آؤ۔"

"آپ بہت برے ہیں، بہت ظالم ہیں، ہمیشہ مجھے رلاتے ہیں۔" وہ کہتی اس کے سینے سے لگ گئی۔ اس نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا۔

"اب کبھی نہیں رلاؤں گا۔ وعدہ پکا وعدہ۔" وہ کہہ کر مسکرایا اور اسے یونہی اپنے ساتھ لیے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ مسلسل شکوے کررہی تھی اور وہ دوبارہ نہ کرنے کا وعدہ کرتا رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

سید محل کے احاطے میں نکلنے والا سورج آج بہت روشن تھا، ہوائیں بھی آج بڑی سبک روی سے چل رہی تھیں..... ہر طرف مہک تھی، خوشبو کی اجارہ داری تھی۔ شاہ بی بی کو لان میں لگے پھول بھی مسکراتے ہوئے لگے تھے، کوریڈور بھی چمک رہے تھے۔ بہت عرصے بعد سید محل میں ہونے والی صبح ایک محبت بھرے خاندان کو دیکھ رہی تھی۔ بہت عرصے بعد شاہ بی بی نے دن کی چمکیلی روشنی کو دل سے محسوس کیا تھا، ان کے چہرے پر سکون کی اجارہ داری تھی، سالوں کے بعد آج ناشتے کے لوازمات بننے جارہے تھے۔ سید محل خوشبو سے مہک رہا تھا۔

سورج کی نارنجی کرنیں باغ کے درختوں سے ہوتے ہوئے قسام شاہ کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔ کرنوں نے مدت بعد کمرے میں دخل اندازی کی تھی۔ سورج کی روشنی نے کمرے کی سفیدی کو دوبالا کردیا تھا۔ عینا شاہ انہماک سے اس کے معصوم چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ قسام شاہ نیند سے بیدار ہوا تو اس کے انہماک میں دخل پڑا تھا اور اپنی چوری پکڑے جانے پہ اس کے چہرے پر بھی حیاء کی لالی پھیلی اور گال دہک اٹھے تھے۔

"ڈاکٹر صاحبہ..... آپ دیکھنے کا حق رکھتی ہیں بلکہ آپ کہیں تو ہم آپ کی آنکھوں کو اپنے ساتھ باندھ لیتے ہیں تاکہ ہر پل یہ ہم پہ مرکوز رہیں۔" اس کی نظریں لرزتی ہوئی اٹھیں اور پھر سے جھک گئیں۔

"آپ ڈائیلاگ بند کریں اور اٹھیں، ناشتے کے لیے سب انتظار کررہے ہوں گے۔" اس کی محویت توڑنے کے لیے موضوع بدلا۔

"میں نیچے نہیں جاسکتا۔"

"کیوں؟"

"میں رات سے بیمار ہوں۔" اس کے چہرے پہ حیرت پھیلی، اس نے جائزہ لیتی نگاہوں سے دیکھا، وہ کہیں سے بیمار نہیں لگ رہا تھا۔

"ایسے شکی نظروں سے کیوں دیکھ رہی ہو، میں واقعی میں ہی بیمار ہوں۔"

"کیا بیماری ہے آپ کو؟" اس نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مجھ پہ جادو ہوگیا ہے، ایک پری کے سحر میں قید ہوگیا ہوں..... اس کے لمبے لمبے گیسوؤں نے مجھے جکڑ لیا ہے..... میں اس کی گہری آنکھوں کے سمندر میں ڈوب گیا ہوں اور بس ڈوبتا جارہا ہوں..... اس کی آواز خوب صورت گیت کی مانند ہے ایسا گیت جو کانوں کو سرور بخشتی ہے..... اس کی ذات چاندنی جیسی ہے جسے دیکھ کر مور بھی ناچ اٹھے۔" وہ ایک سحر میں بول رہا تھا..... اس کے بالوں کو چھوتا ہاتھ اس کی آنکھوں تک آیا۔ بات کا اختتام کرتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ تھاما اور سینے پہ کسی تمغے کی طرح سجالیا تھا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

عینا شاہ کو اس کا یہ روپ ہوش سے بیگانہ کررہا تھا۔ محبت کا اظہار دل کو خوشیوں کے ہنڈولے میں بٹھا گیا مگر جب اظہار کرنے والا تختِ دل پہ کسی بادشاہ کی طرح براجمان ہو تو تب اڑنے کے لیے فضائیں بھی محدود لگتی ہیں۔

کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے جس طرح اسے تھاما تھا اسے اپنا آپ معتبر لگنے لگا تھا۔ جیسے وہ کوہِ نور ہو جس کے کھو جانے کا اسے ڈر ہو، وہ ایسے اس کے پہلو میں تھا جیسے اس کی ذات میں گم ہو جانا چاہتا ہو، جذبات جواہرات سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں اور عینا شاہ کی جھولی ایسے قیمتی ہیروں سے بھر گئی تھی۔

شاہ بی بی ان دونوں کی بلائیں لینے میں مصروف تھیں، ابتہاج شاہ نے فخر سے اپنے بیٹے کو دیکھا..... زندگی کی بہت سارے شکایات اس کے اس اقدام نے ختم کردی تھیں، وہ تین سال سے چپ کا قفل لگائے بیٹھے تھے مگر ضمیر کی عدالت میں گرگڑاتے رہتے تھے مگر آج وہ اپنے بھائی کے سامنے سرخرو ہو گئے تھے، انہوں نے جی کھول کے صدقہ کیا تھا۔

سب ناشتے میں مگن تھے جب زاویار احسان نے عالیہ احسان کے ہمراہ سید محل میں قدم رکھا تھا۔ شاہ بی بی کی آنکھیں بیٹی کو گھر کی دہلیز پر دیکھ کر چمک اٹھی تھیں، ابتہاج شاہ نے اٹھ کر بہن کو خوش آمدید کہا' سب کی رویے سے بے نیاز عینا شاہ ساکت بیٹھی تھی۔ وہ حیران نظروں سے سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر پہلو میں بیٹھے قسام شاہ کو دیکھا جس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔ عالیہ احسان زیدی نے اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ رکھا اور سونے کے کنگن اس کی کلائی میں پہنا دیے تھے۔

"بیٹا تم مجھے اپنی اولاد کی طرح عزیز تھیں اور آج بھی ہو، حالات کو اس نہج پر لانے والا زاویار نہیں ہے بلکہ مجھ بد نصیب کی بیٹی تھی۔" وہ سارے حالات اس کے گوش گزار کرتی گئیں اور روتی رہیں۔ فہمین احسان اب کہیں نہیں تھی۔ وہ شرمندہ ہوتی رہی۔

"مجھے معاف کردو عینا شاہ..... نہ چاہتے ہوئے بھی میں تمہاری زندگی کی تلخیوں کا ذمہ دار بن گیا..... تمہارے تین سال تو نہیں لوٹا سکتا مگر ان تین سالوں کی سزا میں کاٹ چکا ہوں۔"

"بس زاویار..... مجھے میرا گھر واپس مل گیا، میری خوشیاں مجھے مل گئیں، مجھے تم سے بلکہ کسی سے بھی کوئی شکوہ نہیں اور آنٹی آپ فہمین کو بھی معاف کردیں مجھے اس سے بھی کوئی گلہ نہیں ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے عالیہ احسان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

ہر چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا، وہی محبت اور چاہت سب کے انداز میں چھلک رہی تھی جو کبھی سید محل کا خاصا ہوا کرتی تھی، اس نے مسکراتے ہوئے اپنے ہمدم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ محبت انا، شک، بے اعتمادی کی ڈور سے کبھی نہیں بندھتی، ایک ذرا سا ظرف دکھانے سے سب کے چہرے چمک اٹھے تھے۔

قسام شاہ نے اس خوب صورت دل کی مالک لڑکی کو دیکھا اور دل میں عہد کیا کہ وہ آئندہ آنے والی زندگی میں اس کے لیے پھولوں کی راہ گزر بنائے گا، اس کا سایہ بن جائے گا، اس ذات میں کھو جائے گا، اسے یقین کی وہ دولت دے گا کہ اس کے قدم کبھی نہیں لڑکھڑائیں گے۔ وہ صرف محبت کی بارش نہیں کرے گا بلکہ اپنے ساتھ کی چھاؤں بھی دے گا۔

سید محل میں ایک خاص دھن بجنے لگی تھی۔ نئے راگ بن رہے تھے، محبت کے نئے گیت گائے جارہے تھے۔ ایک جان دو قالب کے افسانے بننے لگے تھے۔ محبت کی آس کامیاب ہوئی تھی اور ہجر روتا ہوا سید محل سے نکل گیا تھا۔

www.naeyufaq.com

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner